ابوالکلام آزاد کی

تاریخی شکست

کالم نمبر ۲

مُسلمانوں کی جدّوجُہد آزادی کے ایک اہم دَور کی مُستند دستاویز اور لائق مُطالعہ ہے جو تحریک پاکستان کے مَقاصد سمجھنے میں مُمد اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے عِلاوہ مذہب اور تاریخ کے طالب علموں اور فُضلاءِ اِسلام کیلئے یکساں مُفید ثابت ہوگی کیونکہ اس میں تاریخی پس منظر بھی ہے اور تحقیق و تلاش بھی۔

ماہنامہ قومی زُبان اور مُلک کے دیگر اہلِ الرائے نے مُرتّب کی اِس کوشش کی تحسین کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مواد سے پُورا پُورا اِستفادہ کیا جائے۔ جب تک ہم اپنے ماضی سے آگاہ اور اپنے اسلاف و اکابر کے کارناموں سے واقف نہ ہوں اُس وقت تک نہ ہمارے اندر جذبۂ عمل پیدا ہو سکتا ہے نہ جوشِ کردار۔ آگے بڑھنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ اِک نظر مُڑ کر بھی دیکھ لیں:

ع گاہے گاہے باز خواں ایں قصّہ پارینہ را

تحریکِ پاکستان کے پس منظر و پیش منظر سے آگاہی کے بغیر ۱۹۴۷ء سے قبل ہندو قوم کی مِلّتِ اِسلامیہ سے بدترین نفرت، انگریز سامراج کی دَرپردہ سازشوں، مُسلمانوں کی مُعاشی و مُعاشرتی پسماندگیوں اور خود مُسلمانوں کے مُختلف دینی و سیاسی گروہوں اور شخصیتوں کے پاکستان دُشمن رویّوں کا احساس و ادراک ممکن نہیں ہے۔ پاکستان جن اقدار کے تحفظ کیلئے بنایا گیا تھا ہم اس کے امین ہیں۔ ان کا تحفظ ہمارا اوّلین فرض ہے ......

پاکستان زندہ باد!

ابوالکلام آزاد

کی

تاریخی شکست

تحریکِ پاکستان کا ایک ناقابلِ فراموش باب

حصّہ اوّل

ترتیب : محمّد جلال الدّین قادری

مکتبہ رضویّہ، لاہور

○ کتاب — ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست
(روداد مناظرہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)
○ مرتّب — محمد جلال الدین قادری
○ کتابت — عبد القیوم
○ صفحات — ۱۸۴
○ طبع اوّل — رجب ۱۴۰۰ھ / مئی ۱۹۸۰ء
طبع دوم — جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ / اکتوبر ۱۹۹۶ء
○ ناشر — مکتبۂ رضویہ ۲۴۴/۲ سوڈیوال کالونی ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۰۰
طابع — زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
○ قیمت — ۷۵/- روپے

واحد تقسیم کار:

مسلم کتابوی دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور
فون: ۷۲۲۵۶۰۵

انقلابات و حادثات نے ماضی کے بہت سے نظریات کو یا تو
رد کر دیا ہے یا اُن پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے — آیئے
ماضی کے اِن مُشاہدات و تجربات کی روشنی میں ان نظریات
کا جائزہ لیں —

فاضل بریلوی اور ترکِ مُوالات
مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، صفحہ ۵۲

ایک مُفکّر کا قول ہے کہ وُہ قوم جو اپنے اَسلاف کے
کارناموں سے بے خبر ہے، اِس قابل نہیں کہ
دُنیا میں زندہ رہے۔

عکسِ نوادِرات

جماعت رضائے مصطفیٰ (ہند)
کے نام

○ جس نے گاندھی کے طلسم کو پاش پاش کر دیا۔

○ جس کے سامنے کانگریسی علماء کے زورِ خطابت کا چراغ نہ جل سکا۔

○ جو ناموسِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کا فریضہ بہ طریقِ احسن سرانجام دیتی رہی،

عرضِ حال

(طبع اوّل)

ایک دوست کے ہاں سیارہ ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۷۷ء کا شمارہ نظر سے گزرا جس میں شائع شدہ ایک انٹرویو میری توجّہ کا مرکز بنا۔ یہ انٹرویو مشہور صحافی اور اُس وقت کے مدیر سیّارہ ڈائجسٹ جناب مقبول جہانگیر نے ندوہ کے ایک بزرگ فاضلِ مولانا محمّد فضل قدیر ظفر ندوی سے کیا تھا۔

مولانا گزشتہ پون صدی کی تاریخ برِّعظیم پاک وہند کے عینی شاہد ہیں۔ مقبول جہانگیر صاحب کے اِس سوال کے جواب میں کہ

"مولانا، گاندھی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" میں نے چُبھتا ہُوا سُوال کیا "کیا عُلمائے دین کا اُسے یوں مسجدوں اور دینی درس گاہوں میں لیئے لیئے پھرنا درست تھا؟"

آپ فرماتے ہیں:۔

"آپ کا سُوال اپنی جگہ اہم ہے، اُس زمانے میں ہَوا ہی ایسی چلی تھی کہ سب گاندھی کے طلسم میں گرفتار تھے! حتیٰ کہ بڑے بڑے مُسلمان اکابر بھی اس کے ساتھ تھے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ انھوں نے اس معاملے میں ٹھوکر کھائی تاہم بہت جلد گاندھی کا طلسم ٹوٹا۔ مجُھے یاد آیا کہ پورب کے دیہات میں یہ افواہ پھیلی کہ گاندھی جی ہی امام آخرالزّماں اور (نعوذ باللہ) امام مہدی ہیں؛ چنانچہ دیہاتی مُسلمان مجھ سے سُوال کرتے تھے: "مولبی صاحب، مہاتما گاندھی امام مہدی ہے؟" مَیں جواب میں کہتا تھا: "ارے وہ تو کافر ہے۔ خبردار جو کسی نے اس کے

بارے میں ایسا عقیدہ اختیار کیا۔" بعد ازاں میں نے مولانا عبدالباری فرنگی محل سے اس افواہ کا تذکرہ کیا۔ مولانا طیش میں آکر فرمانے لگے :-
" گاندھی محض سیاسی فقیر ہے جو مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہے۔" خیر، یہ تو عوام کا بھولا پن تھا، لیکن تعجب ہے کہ خواص، جو اندر سے باہر سے قطعی مجسم کھدر بن گئے، وہ بھی قومی تخصص سے تہی دامن ہو گئے۔
خود اپنے متعلق بھی انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ کانگریسی اثر کے تحت وہ "گاندھی کی جے" پکارتے رہے ہیں، چنانچہ ان کے اپنے الفاظ میں :

"میں اور مولوی خیرالانام اسی دن گاندھی کی قیام گاہ پر گئے۔ انہیں اور علی برادران کو دارالعلوم میں آنے کی دعوت دی۔ رات کو رفاہ عام میں جلسہ تھا۔ جلسے سے فراغت پاکر گاندھی، علی برادران اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی دارالعلوم[1] پہنچے۔ میں نے بلند آواز سے "مہاتما گاندھی کی جے" پکار دی ——"

اس سیاسی اور مسلکی پس منظر میں جب ان کے حسب ذیل الفاظ پڑھے،

"میں بریلی پہنچا۔ وہاں مولانا ابوالکلام اور استاذ اسلامیات علی گڑھ کالج مولانا سلیمان اشرف کے درمیان ترک موالات کے بحث پر بڑے معرکے کا مناظرہ ہو رہا تھا جس میں بالآخر ابوالکلام آزاد جیت گئے۔"

تو میرے لیے کوئی حیرت کی بات نہ تھی کیونکہ تاریخ مسخ کرنے کا یہ سلسلہ کافی طویل اور دیرینہ ہے۔ بدقسمتی سے ذرائع ابلاغ ایسے ہاتھوں میں ہیں جو سیاہ کو سفید اور سفید

---

[1] یعنی مشہور دینی درس گاہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کو سیاہ کر دکھانے کی سعی پیہم میں پوری قوت سے مصروف ہیں۔

لیکن میں نے اُس وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اس تاریخی مناظرہ کے اصل واقعات نئی نسل کے سامنے لانے کی کوشش کروں گا تاکہ وُہ جان سکے کہ کانگریس کا یہ "شو بوائے" جو سیاسی محاذ پر حضرت قائداعظم علیہ الرحمۃ کے سامنے بار بار ناک رگڑ چکا تھا، مذہبی اسٹیج پر کانگریس کا یہ امام الہند اور ابوالکلام علمائے حق کے سامنے کیوں کر بے کلام ہو گیا۔

میں نے اس تاریخی مناظرہ کی تفصیلات تو بہت سے بزرگوں سے سُن رکھی تھیں لیکن مجھے اس شائع شُدہ کتابچہ کی تلاش تھی جو اس زمانہ میں "روداد مناظرہ" کے نام سے چھپ کر تقسیم ہُوا تھا۔ بحمداللہ یہ نادر کتابچہ محترم و مکرم حضرت مولانا مُحمّد عبدالحکیم شرف قادری صاحب دام برکاتہ' نے فراہم کر دیا۔

آغاز کار ہی میں مخدومی حضرت حکیم مُحمّد مُوسیٰ صاحب امرتسری نے کچھ نایاب کُتب عنایت کیں جب کہ محترم الحاج میاں غلام مرتضےٰ صاحب کے عطا کردہ رسالہ دوامغ الحمیر اور دیگر کُتب نے اِس راہ کو مزید آسان بنایا۔

اِن کے علاوہ مولانا صاحبزادہ محمد حبیب اللہ نعیمی، مفتی مُحمّد علیم الدین مجددی، جناب محمد رفیق خاں ایم اے، صاحبزادہ غلام محی الدین، مُحمّد فاروق حسن درگاهی، ظفر اقبال نیازی نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور جناب مُختار جاوید خاص طور سے شکریہ کے مُستحق ہیں جنہوں نے تاریخی حوالوں سے مزین تقدیم لکھ کر اس کتاب کی افادیت کو دُوچند کر دیا ہے۔

میں اِن تمام حضرات کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔

مُحمّد جلال الدین قادری عفی عنہ
سرائے عالمگیر

۱۳ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ/یکم مارچ ۱۹۸۰ء

مُمتاز دانشور

پروفیسر مرزا مُحمّد منوّر

گاندھی کے لیئے عام مُسلم مِلّت کے افرادِ مسلمان ہی نہ تھے فقط وہی مُسلمان تھے جو آشرم نشین ہو سکتے تھے۔ تِلک لگا سکتے تھے۔ ہندوؤں کے سے انداز میں پرنام کر سکتے تھے۔ ہندوؤں کی سی ٹوپیاں پہن سکتے تھے اور مُسلمانوں کو ہندو قوم سے جُدا نہ جانتے تھے۔ گویا خُدا پرست اور بُت پرست، گاؤ خوار اور گاؤ کا پرستار ایک ہی مِلّت کے فرد تھے۔

بحوالہ رُوزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۷۹ء صفحہ آخر
بعنوان "حقیقتِ حال"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

تقدیم

مختار جاوید

تاریخ نویسی مسلمانوں کا محبوب و مرغوب شعبہ رہا ہے برِ عظیم پاک و ہند کی تاریخ کے ماخذ و منابع بھی یہی مسلمان مورخین ہی کے آثار ہیں۔ انگریز کی سوسالہ غلامی نے تسائل کا جو زہر ہمارے رگ و پے میں سمو دیا اس کا اثر ہے کہ قیام پاکستان کے ۳۳ سال بعد بھی ہم دو قومی نظریہ ـــــ اسلامی عصبیت جس کو اُجاگر کر کے ہی پاکستان کی تحریک بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہوئی، کے تار و پود کے اذکار کو اپنی تاریخ مرتب کرنے کیلئے جمع ہی نہیں کر سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان پر لکھی جانے والی سو کتابوں میں سے تقریباً ۷۵ غیر مسلموں اور غیر ملکیوں کی ہیں[1] اور ان لوگوں نے عمداً

---

[1] "ہندوستان میں متعدد کتابیں تقسیم ہند کے بعد لکھی گئی ہیں جن میں سے بعض انگریزوں کی تصانیف ہیں ان میں سب سے اہم مسٹر سیتارمیہ کی تاریخ "انڈین نیشنل کانگریس" ہے جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر مینن اور راجن بابو کی تصانیف ہیں۔" (خلیق الزماں چودھری "شاہراہ پاکستان" مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۲۷) "ان کتابوں کی اشاعت ہند اور بیرونِ ہند میں زور شور سے ہو رہی ہے، غیر ملکی صحافی اور مورخ ان ہی کو بنیاد و اساس بنا کر اور ماخذ قرار دے کر مقالے اور کتابیں لکھتے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے صرف ایک ہی بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ ہندوستان کی تحریکِ آزادی کا شاندار آغاز اور کامیاب انجام تمام تر رہینِ منت ہے گاندھی موتی لال، جواہر لال، پٹیل اور دوسرے ہندو لیڈروں کا، دُنیا اس سفید جھوٹ کو سچ سمجھنے پر مجبور ہے کیونکہ تصویر کا دوسرا رخ اس کے سامنے نہیں ہے۔" (رئیس احمد جعفری، "سید علی برادران" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء۔ ص ۹)

یا سوجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے ہماری تاریخ میں اس قدر گھپلا کیا ہے کہ آج وہ نسل جس نے اِس سرزمین پر "ہندو مُسلم اتحاد" کے دِلفریب اور گمراہ کُن نعرے ـــــ اور پھر

پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الٰہ الا اللہ

کے باطل شکن نعرے لگتے ہُوئے اپنے کانوں سے نہیں سُنتے ـــــ اپنے ذہن میں نظریۂ پاکستان کی صحیح واضح اور روشن تصویر ہی نہیں بنا سکتی۔

آزادی سے قبل ملکی پریس زیادہ تر ہندو کے ہاتھ میں تھا اور سوادِ اعظم (اہلسنت) کے باشعور رہنما کسی ایسی تحریک میں شامل ہونے کے لیئے تیار نہ تھے جس کی باگ ڈور مشرک اور کافر ہندو کے ہاتھ میں ہو، اس لیئے ہندو اور نیشنلسٹ مُسلمانوں نے حسبِ عادت انہیں بدنام کیا۔[1]

آج بھی کُچھ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ " ہم اپنے اسلامی ماضی ـــــ اور اسلامی روایات ـــــ بالخصوص اسلامی فکر کو یا تو بالکل فراموش کر دیں[2] یا پھر مسخ کر کے پیش کریں[3] "۔ یقیناً یہ ہندو جاتی کے جھوٹے پروپیگنڈے کا ہی اثر ہے جواب

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵ استمبر، ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء

[2] ملک کے نامور صحافی جناب زیڈ اے سلہری فرماتے ہیں:-

" انہوں (قوم پرست عُلماء نے اس (پاکستان) کے قیام کے لیئے کوئی کوشش نہیں کی اور وہ تحریکِ پاکستان کو اس لیئے فراموش کرانا چاہتے ہیں کہ اُن کا اس تحریک میں کوئی کردار نہیں، وہ لوگ ابھی تک اپنے نظریئے سے مُنحرف نہیں ہُوئے. اس لیئے ہمیں دوست اور دشمن کو پہچاننا چاہیئے "۔

(خُطباتِ آل انڈیا سُنّی کانفرنس مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۵)

[3] حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب میں مُصوّرِ پاکستان اور بانیِ پاکستان کو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

تک چلا آرہا ہے۔

پاکستان کے ایک قلم کار پروفیسر احمد سعید بعض دانشوروں کا پردہ چاک کرتے ہُوئے ــــ "کیا مُسلمان اور ہندُو ایک قوم ہیں ؟" کے تحت لکھتے ہیں کہ :-

"ہندُو مورخین اور ان کے ہمنوا نیشنلسٹ مُسلمان یہ الزام عائد کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتے کہ مُسلمان انگریزوں کے پٹھو تھے۔"

(رُوزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)

تضحیک کا نشانہ بنانے کی شرمناک جسارت کی گئی ہے۔ "قرارداد لاہور اور ڈاکٹر اقبال" کے عنوان سے فاضل "تاریخ ساز" رقمطراز ہیں :-

"۱۹۳۰ء میں اقبال نے جو تجویز دی اور مُسلم لیگ نے ۱۹۴۰ء میں جو قرارداد پاس کی، دونوں کے مابین نہ تو الفاظ کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور نہ ھی مقصد کے وزن میں کوئی برابری ہے ــــ پھر نہ جانے وُہ بلی کس تھیلے سے نکلی، جس نے جناح اور اقبال کے نقشے کو تار تار کر دیا۔ اِس حقیقت کی نشان دھی کے بعد موجُودہ پاکستان کا خالق علامہ اقبال کو قرار دینا اقبال کی عظمت کو جُھٹلانا ہے ــــ"

(جانباز مرزا، کاروانِ احرار (جلد چہارم) مطبُوعہ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۳۱-۲۳۳)

تاریخ گری کی اِس نئی کوشش کے ساتھ ساتھ ذرا یہ اقتباس بھی مُلاحظہ فرمائیں :-

"ــــ تحریکِ پاکستان کا نام لینے والے اور اس کے لیئے کام کرنے والوں میں سے پہلا مُسلمان لُدھیانے میں مجلس (احرار) کے ارکان کے ہاتھوں شہید ہُوا۔"

(رُوزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ ستمبر ۱۹۷۹ء، مضمون وفا راشدی: تحریکِ پاکستان کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش دن)

مُحبِ وطن صحافی اور مؤرخ عنایت عارف (سابق مدیر مُسلمہ، لاہور) "نظریۂ پاکستان کے تاریخی پس منظر پر ایک نظر" کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں کہ:-

"ہندوستان کی تاریخ میں ہندو ہمیشہ مُسلمانوں اور اسلام کا دشمن رہا ہے اور اس نے اِس قوم کو مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ کبھی فرو گذاشت نہیں کیا۔ تاریخ ہند کا یہ دلچسپ پہلو ہے کہ ہندو، مُسلمان شخصی حکومتوں کا تو ہمیشہ مُقابلہ کرتے رہے لیکن ان بے شمار بوریا نشین درویشوں کا مُقابلہ نہ کر سکے جو ہمیشہ اِس دو قومی نظریہ کی آبیاری میں ہر دَور اور ہر قسم کے سیاسی حالات میں سرفروشانہ جدوجہد میں مصروف رہے ہیں۔ درحقیقت یہی وُہ مُبارک ہستیاں تھیں جو تمام سیاسی نشیب و فراز سے بے نیاز اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتی تھیں اور اسلامی اقدار کے اِحیاء کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہتی تھیں۔ اِن نفوسِ قُدسیہ کی بدولت کبھی کسی جابر سے جابر مُسلمان بادشاہ کو دین میں پیوند کاری کی جُراٗت نہ ہو سکی۔ مُغلیہ دَور کے اکبرِ اعظم نے اپنی جُھوٹی عظمت کے نشے میں سرشار ہو کر جب دینِ الٰہی کے نام سے اپنا ایک سیاسی مذہب ایجاد کیا تو حضرت مُحمّد باقی اللہؒ اور حضرت امام ربّانی مُجدّد الف ثانیؒ جیسی بُلند پایہ ہستیوں نے اُن کی عظمت و شوکت کو بر سرِ عام للکارا اور دینِ مُصطفٰے میں پیوند کاری کی اِس ناپاک کوشش کو تاریخ کا نشانِ عبرت بنا دیا۔ ان بدترین قسم کی شخصی حکومتوں کے دَور میں بھی مُسلمان سوادِ اعظم نے اسلام کا پرچم ہمیشہ بُلند رکھا کیونکہ یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض مُلک میں صرف اِسلام ہی مُسلمانوں کی بقاء و سلامتی کا ضامن ہو

سکتا تھا۔ اسلام کی عظمت عُظمٰے سے محروم ہو کر ان کے لیے پُورے ہندوستان میں کہیں کوئی جائے پناہ باقی نہ رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو ہمیشہ اسلام کو مٹانے کے لیے وُہ سب کچھ کرتے رہے ہیں جو ان کے قبضہ واختیار میں تھا۔ ان شخصی حکومتوں کے زوال کے بعد جب فرنگی استعماریت نے ہندوستان پر قبضہ جمایا تو اُن کی دُور رس نگاہوں نے بھی مُسلمانوں کی اجتماعی قوت اور سرچشمۂ اقتدار کو بھانپ لیا کہ درحقیقت اسلام ہی وُہ پوشیدہ قوت ہے جو کسی بھی وقت ان کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکتی ہے چُنانچہ انہوں نے پُوری طاقت سے اسلام اور مُسلمانوں کے استحصال کی مُہم شروع کر دی۔ اَن گنت علمأ پھانسیوں پر لٹکا دیئے گئے۔ مُسلمانوں کے بے شُمار مدرسے بند کر دیئے گئے اور اسلامی اَقدار کو مسخ کرنے کے لیے بے شُمار محاذ کھول دیئے گئے۔ ہندوستان بھر کے ہندو اس مُہم میں اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ مُسلمانوں پر ملازمتوں اور تجارت کے دروازے بند کر کے انہیں معاشی بدحالی میں مُبتلا کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ عیسائی مشنریوں کی ایک فوج عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کے لیے پُورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ غیر مُلکی غلامی کے اس تاریک دَور میں جب مُسلمانوں کی تمام تر سرگرمیاں تقریبًا مسجدوں کی چار دیواریوں تک محدُود ہو کر رہ گئی تھیں اور مُسلمان توحید و رسالت کی اس امانت کو اپنے سینوں سے لگائے حکمران قوم کے لرزہ خیز مظالم برداشت کر رہے تھے۔ ہندو کی اسلام دُشمنی کا جذبہ اور زیادہ قوی ہو چکا تھا۔ وُہ اجتماعی سطح پر مُسلمانوں کو نقصان پُہنچانے اور اسلام کو ہند بدر کرنے کے لیے صُبح وشام طرح طرح کی سازشوں اور

رابطہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے، سیاسی سطح پر انہوں نے متحدہ
قومیت کا ڈھونگ کانگرس کی مدد سے اپنے تمام وسائل سے شروع
کیا اور مسلمانوں میں یہ تاثر پھیلانا شروع کیا کہ درحقیقت مسلمان
اور ہندو ایک ہی قوم ہیں اور ہندوستان میں صرف ایک قوم آباد ہے
جسے ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہ ہندو سامراجیت کی نہایت گہری سازش
تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بحیثیت قوم ختم ہو جائیں اور ہندو
اکثریت کا ایک بے اثر ضمیمہ بن کر رہ جائیں۔ ہمارے بے شمار
سادہ لوح اور عاقبت نااندیش علمائے کرام بھی ان کے اس دام تزویر
کا شکار ہو گئے اور نیشنلسٹ علماء کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے"۔[1]

مذکورہ بالا طویل اقتباس کے بعد جناب عنایت عارف، انیسویں صدی کے پُرفتن
عہد ــــــ جس میں اکبری دور کی فتنہ سامانیوں کی تجدید ہونے لگی، میں بعض مسلمان
زعماء جن کی دُوررس نگاہوں نے فتنہ و فساد کا مرکز بھانپ لیا اور ملتِ اسلامیہ کی
سرفرازی اور سربلندی کا راز سمجھ لیا تھا، کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے "دو قومی
نظریہ" کو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ــــــ اس دور کے چند مسلمان زعماء کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ
مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ ملتِ اسلامیہ
تاریخ کے ہر دور میں اپنے الگ اور علیحدہ قومی وجود کو برقرار رکھنے
کے لیے ہمیشہ مخالف اور دشمن قوتوں سے برسرِ پیکار رہی ہے۔ کفر و شرک
اور الحاد و بے دینی سے ان کی کسی بھی نوعیت کی مفاہمت کبھی ممکن نہیں

---

[1] ماہنامہ "مسلمہ" (نظریۂ پاکستان نمبر) شمارہ جون۔ اگست ۱۹۷۰ء مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ لاہور ص ۵-۶

کیونکہ اپنے مزاج کے اعتبار اور ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی حیثیت سے اسلام کبھی کسی قسم کی پیوند کاری کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان دردمند مسلمان زعمائے کرام کی سعی و کوشش سے یہ حقیقت بھی واضح طور پر عوام کے اذہان و قلوب پر مرتسم ہونے لگی کہ ملّتِ اسلامیہ کا وجود ہمیشہ ہر جگہ اور ہر دور میں اسی دو قومی نظریہ کا رہینِ منّت رہا ہے کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ کفر اسلام کے خلاف ملّتِ واحدہ ہے۔ کفر و الحاد کسی بھی شکل میں ہو کسی بھی روپ میں ہو اور کسی بھی اِزم اور نام نہاد مذہب کے بھیس میں ہو ہر حال میں اسلام کا دشمن ہے۔ کسی بھی ملک اور کسی بھی معاشرے میں جتنی بھی غیر مسلم قومیں موجود رہی ہیں وہ اسلام کے مقابلے میں ہمیشہ متحد اور متفق رہی ہیں۔ یورپ کی صلیبی جنگیں اور ہندوستان کے ہزاروں راجاؤں اور مہاراجاؤں کا اسلام کے مقابلہ میں گٹھ جوڑ اور اتحاد اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے دو قومی اور دو ملّی نظریئے کا آغاز تو اُسی وقت ہو گیا تھا جب اللہ نے قرآن کریم میں یہ فرما دیا کہ آج ہم نے تمہارے لیئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی وہ نعمت تمام کر دی ہے جسے اسلام کہتے ہیں۔ سرزمینِ عرب کے بے شمار قبائل جو ہمیشہ آپس میں متصادم رہتے تھے اسلام کے خلاف ہمیشہ متحد ہو کر مصروفِ عمل رہے ہیں۔ جنگ بدر سے لے کر آخر تک ہر معرکے میں اسی نظریئے کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے دو قومی یا اس کے وسیع تر مفہوم میں دو ملّی نظریئے کے بانی خود پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے کیونکہ یہ نظریہ تعلیماتِ قرآنی کی روح کے عین مطابق ہی نہیں بلکہ اس کا

ایک بنیادی تقاضا بھی تھا۔ اِس کے بغیر نہ اسلام اپنے ضابطۂ حیات کو عملی طور پر نافذ کر سکتا تھا اور نہ مسلمان بحیثیت ملت اپنے وجود کو برقرار رکھ سکتے تھے۔ اگر آپ اس نقطۂ نظر سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مخالف اور دشمن قوتوں نے ہمیشہ ہر دَور میں اسلام کے اس اہم ترین نظریئے کو مسخ کرنے اور اس کی شکل و صورت بگاڑنے کے لیئے ہر رنگ میں بے شمار کوششیں کی ہیں۔ ہر دشمن اسلام تحریک کا بنیادی مقصد یہی رہا ہے خواہ وہ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے کیسی ہی تحریک کیوں نہ ہو۔

ہندوستان میں پہلے انگریز حکمرانوں اور اس کے بعد ہندوؤں نے باہمی تعاون سے ملتِ اسلامیہ کی اس بنیاد کو منہدم کرنے کے لیئے بے شمار سازشیں کیں۔ متحدہ ہندوستانی قومیت کا نظریہ اسی سلسلے کی ایک تاریخی کڑی تھی۔ ساحرانِ ہند کے اِس طلسم ہوش رُبا میں کیسے کیسے بلند پایہ مسلمان مفکرین اور راہنماؤں نے اپنی متاعِ دین و دانش لٹا دی اِس کا جواب ماضی قریب کی تاریخ سے پوچھئے اور عبرت حاصل کیجیے۔ [۱]

اِن اٹل حقائق کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہو گئی کہ اسلام کو ماننے والے ایک قومیت ہیں اور ہر مسلمان اس قومیت کا حصہ ہے جب کہ اسلام کے منکرین دوسری ملت ہیں ——— اور اسی تشخص اور تخصص کا نام اسلامی آئیڈیولوجی اور نظریۂ پاکستان ہے۔

ذیل میں ایک اہم رائے ملاحظہ ہو، جو اختصار کے ساتھ درج کی جاتی ہے

---

[۱] ماہنامہ "مسلم" لاہور (نظریۂ پاکستان نمبر) شمارہ جون، اگست ۱۹۷۰ء ص ۶-۷

جس سے تحریکِ قیامِ پاکستان کے دوران، متحدہ قومیت کے باطل و گمراہ کن نظریے اور اس کے حسین فریب میں گرفتار پجاریوں کا پردہ چاک ہوتا ہے۔

ممتاز صحافی اور ماہنامہ "حکایت" کے مدیر عنایت اللہ کہتے ہیں کہ :-

"قومیت کے اِس فریب کارانہ نظریئے کا خالق مہاتما گاندھی اور اُس کی صف کے دیگر ہندو لیڈر تھے —— اِن ہندو لیڈروں اور مفکروں نے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے توڑنے کے لیئے "ہندوستانی قومیت" کا فلسفہ عام کیا۔ اسی کے تحت انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو ہندوستانی (ہندو، سکھ اور مسلمان) سپاہیوں کی بغاوت کہا۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی اس نظریۂ قومیت کے قائل ہو گئے۔ یہی وہ مسلمان زعماء دانشور اور علماء[1] تھے جنہوں نے مطالبۂ پاکستان اور دو قومی نظریے کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا ——"

تقریر : مجلسِ مذاکرہ ۹ مئی ۱۹۷۸ء نیشنل سنٹر راولپنڈی

(بحوالہ ماہنامہ "حکایت" لاہور شمارہ جون ۱۹۷۸ء ص ۱۰۰-۱۰۱)

---

[1] یعنی قوم پرست علماء جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں شریک نہیں تھے اور انہوں نے من حیث الجماعت انگریزوں کا ساتھ دیا بلکہ وہ مسلمان حریت پسندوں سے نبرد آزما بھی ہوئے۔

تفصیلات کے لیئے اِن ماخذ کا مطالعہ کیا جائے :

(ا) محمد عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید، مطبوعہ کراچی

(ب) محمد مسعود احمد : تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

(ج) حسنین رضا خان : دُنیائے اسلام کے اسبابِ زوال، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

(د) ایس انور علی : صوفیا اور علماء (انگریزی) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء

قوم پرست عُلماء اور ان کے مُتبعین نے تحریکِ ترکِ مُوالات و تحریکِ خلافت (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے زمانے میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ وِداد و اتحاد کا حق ادا کر دیا اور پھر بعد میں سیاسی پلیٹ فارم سے مُشرکینِ ہند کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کیا اور مُسلمانوں کی ہیئت اجتماعی و قوتِ متحرکہ کو پارہ پارہ کرنے کی مذموم سعی آخر دم تک کرتے رہے بلکہ ـــــ بعض' وفاداری بشرط استواری ـــــ اِس پاک سرزمین پر اب تک اپنے نظریئے ـــــ نظریہ قومیّت سے منحرف نہیں ہُوئے حتّٰی کہ پاکستان کے قیام کو "گناہ" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں. کاش یہ حضرات' آزادی اور غلامی کے درمیان فرق محسوس کر سکتے ؎

آزادی کا اِک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

بزرگ صحافی جناب وقار انبالوی اپنے کالم "گزرا ہُوا زمانہ" میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :-

"جمعیت عُلمائے ہند اگرچہ بڑے بڑے بالغ نظر بزرگوں پر مشتمل

ے الطاف حسن قریشی، مدیر زندگی رقمطراز ہیں کہ :-

"وہ نیشنلسٹ مسلمان جنہیں اپنی قومی خدمات پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ اپنے ہم مذہبوں کی ناراضگی مول لے کر ہندو کانگریس کا ساتھ دیتے رہے تھے تقسیم کے موقعہ پر ہندوؤں اور سکھوں کے عتاب سے نہ بچ سکے. یہاں تک کہ پاکستان مُردہ باد کے نعرے لگانے والے مُسلمان بھی اِس جُرم میں مارے گئے کہ آخر یہ مُسلمان تو ہیں."

(ہفت رُوزہ زندگی لاہور ۷ - ۱۳، جولائی ۱۹۷۸ء ص ۴)

تھی — لیکن سیاسیات میں وُہ آخر دم تک حتیٰ کہ انتقالِ اقتدار اور تقسیمِ اقتدار جیسے اہم اور نازک مسائل میں بھی اس کی آواز ہندوؤں کے نعرۂ مستانہ کی صدائے بازگشت کے سوا کچھ اور نہ تھی اور اب جو خلافت کمیٹی میں ہندوستان کے طول و عرض سے وُہ مسلمان شامل ہو رہے تھے، جن پر اس ملک میں بسنے والا ہر مسلمان اعتماد کرتا تھا. اس نے بھی ہندو کی دلداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لاہور کی شاہی مسجد میں رام بھج دت چودھری اور دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند اسی دلداری کی وجہ سے منبرِ امامت پر جا براجے تھے۔ اگرچہ اس مقام و منصب کے وُہ نہ تو کسی طرح اہل تھے، نہ حقدار۔ اِسلام میں ایمان سے نسبت کی شرط اوّل طہارت ہے۔ اور طہارت کے اِس وسیع مفہوم سے جو شرعاً مسلمان کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ ہندو نہ کبھی آشنا ہوا نہ ہو گا. اِس کے باوجود وُہ منبرِ امامت تک پہنچ گیا — لیکن ہندی مسلمانوں کا ایک طبقہ خصوصاً وُہ طبقہ جو دینی علوم کی وجہ سے زیادہ قابلِ احترام تھا. آخر تک یہ نہ سمجھ سکا کہ ہندو سیاسیات کا حدودِ اربعہ اور اِس کا محور و مقصد — کیا ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۷ جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۱۲)

غیر منقسم ہندوستان کے اُس پر آشوب دَور میں جب کہ "متحدہ ہندوستان" اور "متحدہ ہندو مسلم قومیت" کے نعرے بلند کیے جا رہے تھے، کے خلاف پروفیسر سید سلیمان اشرف[1] (سابق صدر، شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی،

---

[1] پروفیسر شیخ محمد رفیق، سید مسعود حید بخاری اور پروفیسر نثار احمد چوہدری نے علمائے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

علی گڑھ) نے "جماعت رضائے مصطفےٰ" کے پلیٹ فارم سے بڑی جرأت وہمت کے ساتھ ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو بریلی کے ایک جلسۂ عام میں جو "جمعیۃ العلمائے ہند" کے زیر اہتمام مولانا ابو الکلام آزاد کی صدارت میں ہو رہا تھا، بیباکانہ اپنے موقف کا اظہار فرمایا اور ان کو مشرکین ہند (کانگرس) کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔[۱]

جناب کے ایل گابا "دو قومی نظریہ" کی تاریخ یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

"دو قومی نظریہ" جس پر بڑے بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)

اہلِ سنت کی سیاسی بصیرت و دور اندیشی کو خراج تحسین پیش کیا ہے، چنانچہ "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے عنوان سے لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے سُنی بریلوی علماء (جو ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کے نمائندے تھے) کو یہ توفیق دی کہ وہ تحریکِ پاکستان اور دو قومی نظریہ کے مسلسل مؤید و حامی رہے۔ مولانا سلیمان اشرف جو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے خلیفہ اور علی گڑھ میں دینیات کے پروفیسر تھے اس زمانے میں بھی ہندو مسلم اتحاد کو غلط قرار دیتے تھے جب تحریکِ خلافت کی وجہ سے مسلمان قائدین نے گاندھی جی کو اپنا لیڈر بنالیا تھا وہ کفر و اسلام کے اتحاد کو خواہ وہ انگریز کے ساتھ ہو یا ہندو کے ساتھ خارج از امکان قرار دیتے تھے۔"

(تاریخ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

[۱] ڈاکٹر محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۷۶

آل انڈیا مسلم لیگ یا آل انڈیا مسلم کانفرنس یا دیوبند یا جامعہ ملیہ کی تخلیق نہیں تھا. تاریخ شاہد ہے کہ اس نظریئے کا مصنف نہ تو محمد علی جناح تھے اور نہ علامہ اقبال.

؎ اُس دَور میں دارالعلوم دیوبند کے چھوٹے بڑے کِن مشاغل میں مصروف تھے، یہ کسی اور سے نہیں، خود علامہ شبیر احمد عثمانی، فاضل دیوبند (م - ۱۹۴۹ء) کی زبانی سُنیئے، آپ فرماتے ہیں کہ :-

"افسوس! وُہ دارالعلوم جس کی بُنیاد اَولیاءُ وا کابرین نے اسلامی تعلیم اور اس کی روایات کے بقا و تحفظ کے لیئے رکھی تھی آج کانگریسیوں کا ایک مستحکم قلعہ بنا ہُوا ہے جس میں ایک ریزرو فوج کافی تعداد میں ہر وقت جمع رہتی ہے دارالعلوم کے فرزندوں کو جہاں کانگریسی حکومت کے شوق نے ملکی آزادی کا پروانہ دے دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دین سے آزادی حاصل کرنی بھی شروع کر دی ہے۔ آج بہت سے ایسے طلباء موجود ہیں جو محرمات شرعیہ اور منکرات میں اس درجہ مُبتلا ہیں کہ شاید کسی ہندو کالج میں یہ بات نہ ہو.

حضرت مولانا انور شاہ کے عہد مبارک تک دارالعلوم ہر قسم کے داخلی اور خارجی فتنوں سے پاک وصاف تھا درسِ حدیث میں خدا اور رسول کی اطاعت کے بجائے مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کی اطاعت کا درس نہیں دیا جاتا تھا. ـــــ اب تفسیر جلالین، بیضاوی اور درسِ حدیث میں کانگریسیت کا سبق پڑھایا جانے لگا. مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے کارناموں کی نہ صرف

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

دو قومی نظریہ تو ۱۹۲۰ء ھی میں ایک مشہور اور مسلّمہ نظریہ بن چکا تھا۔ اس وقت جناح صاحب کانگریس کے رہنما اور بقول سروجنی نائیڈو "ہندو مسلم اتحاد کے سفیر تھے —"

(خالد لطیف گابا: مجبور آوازیں مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۰)

یہ اقتباس ایک بار پھر پڑھیے اور ذرا ۱۹۲۰ء کے دَور کو نگاہ میں رکھیے تو یہ جاننا ذرا مشکل نہیں رہتا کہ وُہ کون لوگ تھے جو اس زمانے میں ہنود کی عیّاریوں کا پردہ چاک کرنے — مسلم قومیت اور تشخّص کے تحفّظ کے لیے سرگرم تھے۔

پیشِ نظر رسالہ — "رودادِ مناظرہ" مطبوعہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء مذکورہ پُرفتن، نازک اور جذباتی دَور کی عکّاسی کرتا ہے۔ اس سے یقیناً تاریخ کے کچھ ایسے گوشے بے نقاب ہوتے ہیں جو اپنوں کے تساہل اور غیروں کی کرم فرمائی سے اب تک عوام کی نظروں سے اوجھل تھے۔ مقامِ شکر ہے کہ بعض مخلص اہلِ قلم تاریخی دھاندلیوں کے ازالہ

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

تعریف کی جاتی ہے بلکہ اُن کی تائید قرآن وحدیث سے پیش کی جانے لگی درسِ حدیث میں شاید ھی کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا کہ جس میں کانگریس کا تذکرہ اور اس میں شمولیت کی تلقین نہ کی جاتی ہو ان ھی تقریروں اور رات دن کی متواتر کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج دارالعلوم نہ صرف ہنود کا مدّاح ہے بلکہ ان کے رنگ میں بہت کچھ رنگا جا چکا ہے۔"

(اخبار وحدت دہلی ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء

بحوالہ اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور ۵ نومبر ۱۹۴۵ء، ص ۴)

کے لیئے کمر بستہ ہیں۔ جناب محمد جلال الدین قادری کی اِس پُر خلوص سعی کو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اہل وطن یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

احقر مختار جاوید عفی عنہ
سمن آباد، لاہور
۲ر اپریل ۱۹۸۰ ء

چیست تاریخ اے زخود بیگانۂ — داستانے قصۂ افسانۂ ؟

ایں ترا از خویشتن آگہ کند — آشنائے کار و مرد رہ کند

رُوح را سرمایۂ تاب است ایں — جسمِ ملّت را چو اعصاب است ایں

ہمچو خنجر بر فسانت می زند — باز بر رُوئے جہانت می زند

اسرار و رموز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
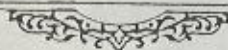
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی الہ وصحبہ وعلماء ملتہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین

عرضِ حال
(طبع ثانی)

تارِیخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے کہ جہادِ آزادی[1] ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد اسلامیانِ ہند کے لیے سب سے نازک دور "تحریکِ ترکِ موالات" کا دور تھا اس دور میں مسلمانوں کو ہندو دھرم میں مدغم کرنے کی ملحدانہ کوششیں خود نام نہاد

---

[1] "جب یہ تحریک (آزادی) ناکام ہو گئی تو انہی ہندوؤں نے اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی اور خود انگریزوں کی چشمِ اعتبار میں جگہ پا کر ہر شعبۂ حیات میں فائز المرام ہو گئے۔ انگریزوں نے بدلہ مسلمانوں سے لیا اور پھر اس قوم کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ اگر مسلمان، ہنود کی شرکت کے بغیر ایک تنظیم کے تحت یہ تحریک شروع کرتے تو اس کے نتائج یقیناً مختلف نکلتے —— افسوس کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں کی سازش کا شکار رہنے کے باوجود برِ صغیر (برِ عظیم) کے مسلمانوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور جب ایک انگریز کی کوشش سے انڈین نیشنل کانگرس کا قیام (دسمبر ۱۸۸۵ء میں) عمل میں آیا تو چند عاقبت نا اندیش مسلمانوں نے بھی اس تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہمارے خیال میں اس تنظیم کا نام "نیشنل کانگرس" تجویز کر کے مسلمانوں کو اس میں شامل کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کی قومیت کے خلاف انگریز اور ہندو کی پہلی سازش تھی۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں سے ان کی جداگانہ قومیت کا احساس مٹا کر انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ ہندوستان میں صرف ایک نیشن آباد ہے اور ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اس ایک نیشن (قوم) کی مختلف شاخیں ہیں۔" (پیام شاہجہان پوری۔ "تارِیخ نظریۂ پاکستان" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۲۶۰ بعنوان: "ایک قوم بنانے کی مکروہ کوشش")

مسلم اکابر کے ہاتھوں انجام پا رہی تھیں۔ "اسلامی تشخص" کو مسخ کر کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ناپاک عزائم کا معاون اور "پرچارک" بنایا جا رہا تھا۔ گویا جہادِ آزادی میں مسلمانانِ ہند کے ملّی وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی جو منحوس کوشش شروع ہوئی تھی، تحریکِ ترکِ موالات کے دور میں "متحدہ قومیت" کے نام سے اس کی تکمیل ہو رہی تھی۔ تاریخِ اسلام کا یہ انتہائی اہم اور حسّاس دور تھا، جس میں شاطر ہندو نے مسلمانوں کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں گاؤ پرستی (گاؤ رکھشا) کی بھینٹ چڑھانے کے منصوبہ پر عیاری سے عمل شروع کر دیا تھا۔ عامۃ النّاس تو رہے ایک طرف، صاحبانِ جُبّہ و دستار اور مسند نشینِ تدریس و افتاء نہ صرف خود بہک رہے تھے بلکہ اسلامی تشخّص اور مذہبی تخصّص کو مٹانے میں یہ لوگ پیش پیش تھے۔ برِعظیم کے طول و عرض میں ہنگامی دورے کر کے اسلامیانِ[1] ہند کو متحدہ قومیت کے ناتراشیدہ بُت کی پرستاری کے قائل کر رہے تھے۔ دورِ اکبری میں جاری ہونے والی غیر فطری اور منحوس تحریک

---

[1] نتیجتاً نہ صرف اسلامیانِ ہند بلکہ بیرونی ممالک کے مسلمان بھی ان کی چلائی جانے والی مذکورہ مہم سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکے اور یہ جلیل القدر زعماء و علماء اپنے ساتھ اُن کو بھی بہا کر لے گئے جس کا کچھ اندازہ آج بھی اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایک ہندی وفدِ خلافت مارچ ۱۹۲۰ء میں ترکی کے نمائندوں سمیع باقر بے وغیرہ سے ملا تو ترک لیڈر "نظامی پاشا نے یہ کہا تھا کہ "ہمیں معلوم ہے کہ محمد علی و شوکت علی دونوں نوجوان بھائی ہیں اور ہم نے ان کی خدمات کے متعلق بہت کچھ کہا سنا ہے"۔ وفدِ خلافت کی طرف سے جواب دیا گیا کہ یہ سب کچھ ہے مگر کیا آپ جانتے ہیں کہ تحریکِ خلافت کا رہبر ایک ہندو مہاتما ہے"۔ جنرل نظامی پاشا نے کہا کہ "ہاں ہاں! مہاتما گاندھی۔ ہم ان کی خدمات، ان کی جدّ و جہد اور ان کے اُصولوں کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک روحانی فرشتہ ہے"۔ یہ بات تمام ترکوں نے یک زبان ہو کر کہی۔" (روزنامہ پیسہ اخبار لاہور ۲۴۔ مارچ ۱۹۲۱ء ص ۵، کالم ۱ بعنوان "مہاتما گاندھی کے متعلق ترکوں کے خیالات")

"دین الٰہی" کو از سرِ نو زندہ کیا جا رہا تھا۔ جمعیتِ علماءِ ہند کے راہنماؤں کی انفرادی اور نجی زندگی پر ہندو دھرم کی گہری چھاپ لگ ہی چکی تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ دیگر اسلامیانِ ہند بھی اِس منحوس جال میں پھنس جائیں۔

لے اُس وقت مُسلمانوں کے فکر و شعُور پر مسٹر گاندھی کی گرفت کتنی مضبوط تھی اور انہوں نے مُسلمانوں کو کس حد تک اپنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ "تحریکِ ترکِ مُوالات" کے زمانے کے بعض مُسلمان اور ہندو شعُراء کے اُن مدحیہ اشعار سے بھی بخُوبی اندازہ ہو جاتا ہے جو انہوں نے مسٹر گاندھی کی مدح و توصیف میں کہے۔ چند اشعار مُلاحظہ ہوں ——— غالباً مسٹر گاندھی کی یہی عقیدت و محبّت تھی جو اُس وقت مُسلمانوں کے قلُوب میں پیدا کی جا رہی تھی ؎

دلوں میں گھر ہے تو آنکھوں میں تیری جا گاندھی — تو ملک و قوم کا ہے درد آشنا گاندھی
ترا خیال ہے پاک اور قول ہے بے لوث — ترا ضمیر ہے بے گانۂ انا گاندھی
زمانہ کیوں نہ ترے حکم کی کرے تعمیل — کہ مانتا نہیں تو نفس کا کہا گاندھی
شمیمِ خلق تجھ سے جہاں معطر ہے! — صد آفریں ہے تجھے اے مہاتما گاندھی
سپوت تجھ سے کرے مادرِ وطن پیدا — یہی ہے فیض کی صبح و مسا دعا گاندھی

(مرزا بیضا خاں امرتسری)

غریب قوم کے مُردہ بدن میں جان ڈالی ہے — لگا کے آپ نے ٹھوکر مہاتما گاندھی
عجب نہیں کہ یہ بیکنڈ میں کریں سب رام — کہ جپتے رہتے ہیں "ہر ہر" مہاتما گاندھی
ہمیں اُمید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور — کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی

(طاہر مُراد آبادی)

اِک دھوم مچ گئی کہ مسیحا وُہ آ گئے — کرتے ہیں درد کا جو مُداوا وُہ آ گئے
مُردہ تھی قوم آپ نے اس کو جلا دیا — ہم سب کو آبِ چشمۂ حیواں پلا دیا
ہم بے کسوں کے حامی و یاور بنے ہیں آپ — گُم کردہ راہ قوم کے رہبر بنے ہیں آپ
ہم سب کی خاطر آپ نے کیا کیا نہیں کیا — ہے ہر زباں پر آپ کا ذِکر مہاتما

(سپاس نامہ از اراکین انجمن اسلامیہ (بریلی))

تحریکِ ترکِ مُوالات کے اس ہیجانی دَور میں جمعیت عُلماءِ ہند کے مُقتدِر راہنماؤں نے ابُوالکلام آزاد کی قیادت میں وسط رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء میں ایک اِجلاس سرزمین بریلی میں مُنعقِد کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس اِجلاس کیلئے غیر معمُولی پروپیگنڈہ کیا گیا۔ اِشتعال انگیز مضامین پر مشتمِل اِشتہارات[لے] شائع کِیے گئے

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ) ہیں جن کو دیکھ کر دَیر اور مہ ششدرؔ وہ آئے ہیں
جُھکاتے ہیں ملائک جن کے آگے سر وُہ آئے ہیں
(دوارکا پرشاد)

وُہ مرتبہ گاندھی کو ملا خدمتِ دیں سے مُسلم کو بھی ہے رشک کہ کافر نہ ہُوا تھا
(حامِد علی خاں برادر مولانا ظفر علی خاں)

ع "وُہ مردِ پُختہ کار و حق اندیش و باصفا"
اور "مردِ میداں گاندھیؔ درویش خوُ"
(علامہ اقبال)

پراپیگنڈے کی دُھول سے آنکھیں یُوں اَٹی ہیں کہ اب تک کئی پڑھے لکھے لوگ مُسلم قومیّت اور ہندُوستانی قومیت کے اِمتیاز و فرق کو مٹا دینے، اپنا ملّی تشخّص کھو دینے اور اپنی اِنفرادیّت کو ملیامیٹ کرنے کو مُسلمانوں کی "مذہبی رَواداری" پر محمول کرتے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ راجِعُون۔ اِظہارِ اِخلاص کے معاملے میں مُسلمان مذہبی طور پر بڑے فراخ دِل اور پُر جوش واقع ہُوئے ہیں۔ مذہبی رَواداری کے پیشِ نظر مُسلمانوں کا مَیلان مَلاپ کی طرف ہی تھا۔" (آغا اشرف —— "پاکستان کا اِسلامی پس منظر" مطبُوعہ مقبُول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۳۸)

لے "جلسے کے اِشتہارات میں ظاہر کیا گیا تھا کہ جمعیۃُ العُلمائے ہنداس جلسے کے ذریعے سے اپنے مُخالفین (دو قومی نظریہ کے حامیوں) پر حُجّت تمام کرنا چاہتی ہے اور اپنا موقف واضح کر کے لوگوں کو شمولیت اور تعاوُن کی دعوت دینا چاہتی ہے ضرُوری تھا کہ اس پراپیگنڈے کے مُقابلے پر کچھ جوابی کارروائی کی جاتی۔ اُس وقت جمعیۃُ العُلمائے ہند کے صدر مولانا ابُوالکلام آزاد تھے۔" (کوکب، قاضی عبدُالنبی۔ "تحریکِ پاکستان اور عُلمائے اہلِ سُنّت" مطبُوعہ خانیوال ۱۹۷۹ء، ص ۶)

اجلاس کی غرض و غایت میں "حفاظت اماکن مقدسہ، تحفظ خلافت اسلامیہ اور نصاریٰ سے ترک موالات" کا نام لیا گیا مگر درحقیقت "متحدہ قومیت" کا پرچار مقصود تھا۔[1]

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سے تربیت پانے والے علماء کی "جماعت رضائے مصطفٰے" نے آگے بڑھ کر جمعیت علماء ہند کے اس اجلاس کو احقاق حق اور ابطال باطل کا موقع تصور کرتے ہوئے حامیان متحدہ قومیت کے اشتعال کا دلائل سے مقابلہ کیا۔ یہ امام احمد رضا کی تربیت کا اثر تھا کہ علماءِ حق نے بصیرتِ ایمانی سے کام لیتے ہوئے بلاخوف لومتہ لائم اس طوفان ناہنجار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔[2] ان حضرات کی دانش ایمانی کی بدولت تاریخ کا یہ بدترین کردار اپنے انجام کو پہنچا اور اسلامی تشخص اور مذہبی تخصص نکھرا۔

کہنے کو مذکورہ اجلاس کو ایک "مذہبی مناظرہ" کا نام دیا گیا۔ مگر حالات نے ثابت کر دیا کہ مذکورہ بالا اجلاس اسلامی نظریۂ قومیت کی اشاعت میں سنگ میل سے کم نہیں۔ دو قومی نظریہ کے احیاء میں اس اجلاس کو بنیادی کردار کا درجہ حاصل ہے۔

---

[1] کیونکہ جن مقاصد کے لیئے مسٹر گاندھی کوشاں تھے وہ مسلمانوں کے مقاصد سے مختلف تھے مگر یہ بات جوش و جذبے کے ماحول میں سمجھ میں آنے والی نہ تھی۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے نازک دور میں مسٹر گاندھی نے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ مسلم علماء کی بھی قیادت کی۔ سب نے آنکھیں بند کر کے ان کی متابعت کی اور اس طرف سے (اصل مقاصد) سے غافل ہو گئے۔"

(مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ "تحریک آزادیٔ ہند اور السّواد الاعظم" ص ۱۱۱)

[2] "علمائے احناف نے اس جنگ میں اپنا وزن دو قومی نظریئے کے پلڑے میں ڈالا اور اس طرح انہوں نے کمال بصیرت سے کام لیتے ہوئے تحریک پاکستان کے لیئے راستہ صاف کیا۔" (کوکب، قاضی عبدالنبی۔ "تحریک پاکستان اور علمائے اہلسنت" مطبوعہ خانیوال ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص ۱۱)

اِس اجلاس کی مکمل رُوداد، طرفین کے بیانات اور دلائل اور دستاویزات پر مُشتمل کارروائی کو ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء میں مکتبہ رضویہ، لاہور نے کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔ تحریکِ پاکستان کا یہ ناقابلِ فراموش باب "ابُوالکلام آزاد کی تاریخی شکست" کے نام سے جب غیر جانبدار محققین، مؤرخین، علماء، وُکلاء، دانشور، اساتذہ اور طالبانِ حقیقت کے ہاتھوں میں پہنچا تو مُرتّب اور ناشر کو ڈھیروں داد و تحسین کے تحائف حاصل ہُوئے۔

۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء میں اِس تاریخی دستاویز کو از سرِ نو مکتبہ رضویہ لاہور نے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تو مناسب معلوم ہوُا کہ محققین کی وُہ قیمتی آراء جن میں اِس تاریخی دستاویز کو "تاریخِ پاکستان کا ناقابلِ فراموش باب" کا نام دیا گیا تھا، کو شاملِ اشاعت کر دیا جائے۔ اِسی دوران اِس اِجلاس سے مُتعلّقہ مزید تاریخی دستاویزات دستیاب ہُوئیں۔ یہ دستاویزات حدّ درجہ اہم ہیں اور دو قومی نظریّہ کے حامی اور مُتحدّہ قومیّت کے داعی حضرات کے کردار کو سمجھنے میں نہایت اہم ماخذ ہیں۔ اِسی لیے ضروری سمجھا کہ ان تاریخی دستاویزات کو (اگرچہ مختصر انداز میں ہی سہی) طبع ثانی کے دیباچہ میں شامل کر لیا جائے۔ مگر اس اِختصار نے بھی وُہ طُول پکڑا کہ دیباچہ اصل کتاب سے دُوگنا بڑھ گیا۔ اس لیئے طے یہ پایا کہ تازہ دستیاب ہونے والی دستاویزات کو الگ کتابی شکل میں شائع کیا جائے اور پہلے سے طبع شدہ کتاب کے بعض صفحات میں ضروری اضافے کر دیئے جائیں اور کچھ صفحات پر چند اہم حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین نقشِ ثانی کو نقشِ اوّل سے بہتر پائیں گے۔

قارئین کرام کی دلچسپی کے لیئے جلدِ ثانی کی تاریخی دستاویزات کی چند جھلکیاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

○ جہادِ آزادی سے آزادی تک —— ایک جائزہ

قبل اِس کے کہ مَیں اپنی معروضات (عرضِ حال) کو اِن سُطور پر ختم کروں مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ یہ بھی بتاتا چلوں اور یہ اَمر واضح رہے کہ برِ صغیر[1] (برِ عظیم) کی تاریخ

---

[1] حاشیہ کیلئے دیکھئے صفحہ ۳۴

میں اِس تحریک (تحریکِ خلافت و ترکِ مُوالات) کو اچھی طرح جاننا اور سمجھنا اِس دَور میں اور بھی ضروری ہوگیا ہے کہ بعد میں قیامِ پاکستان، اِس کے اسباب اور عوامل کی ساری عمارت اِن ہی تحریکوں کے فہم و ادراک پر اُستوار ہوئی ہے[2]۔ "قیامِ پاکستان تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے اور نہ وُہ ہی لوگ کچھ کم اہمیت کے حامل ہیں، جن کے مجاہدانہ کارناموں سے تحریکِ پاکستان کا قافلہ رواں دواں رہا[3]۔ قیامِ پاکستان کے بعد بوجوہ موسیٰ کی پگڑی عیسیٰ کے سر باندھنے کی کوششیں شروع ہوگئی تھیں مگر

(حاشیہ صفحہ ۳۳)

[1] "لوگ Sub-Continent of Indo-Pakistan کا ترجمہ برِّصغیر پاک و ہند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اِس میں "بنگلہ دیش" بھی شامل ہے۔ ثانیاً جب ہم (Continent) کا ترجمہ برِّاعظم کرتے ہیں تو پھر (Sub - Continent) کا ترجمہ برِّصغیر کیونکر صحیح ہے۔ اعظم کا اسمِ تصغیر عظیم ہے صغیر نہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہرۂ آفاق مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف کا نام "برِّعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ" رکھا۔ اُس وقت تک بنگلہ دیش کا وُجود نہ تھا۔" (محمد اسلم، پروفیسر۔ "تحریکِ پاکستان" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۱۲)

[2] ماہنامہ کنز الایمان لاہور نومبر ۱۹۹۴ء (تحریکِ خلافت و ترکِ مُوالات نمبر) ص ۱۶

[3] "عُلماءِ حق کی کوششوں سے برِّصغیر (برِّعظیم) پاک و ہند میں فکرِ اسلامی کی جو زمین ہموار ہُوئی تھی، اس زمین پر قائدِ اعظم محمد علی جناح نے مملکتِ پاکستان کا بیج بویا اور پھر اس کو پروان چڑھا کر دُنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔ بلاشبہ تجویزِ پاکستان اور تعمیرِ پاکستان میں قائدِ اعظم محمد علی جناح، ڈاکٹر محمد اقبال اور دُوسرے زعماء کے علاوہ عُلماءِ اہلِ سُنّت و جماعت نے نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔" (مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ "عاشقُ الرّسول مولانا محمد عبدالقدیر بدایُونی" مطبوعہ مکتبۂ قادریّہ لاہور ۱۹۷۸ء۔ ص ۱۰)

[4] ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب نے تحریکِ آزادی کے ایک مُقتدر راہنما مولانا عبدالقادر آزاد سُبحانی (۱۸۸۲ء ـ ۱۹۵۷ء) جنہوں نے "تحریکِ ترکِ مُوالات" وغیرہ میں نمایاں حصّہ لیا، پر ایک خوبصورت کتاب شائع کی ہے لیکن اس کے صفحہ ۳۵ پر کانگریسی افکار کے مُستقل امین بعض عُلماء کو (جنہوں

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

بحمداللہ پچھلے چار پانچ سال سے حالات نے کروٹ لی ہے اور حقائق منظرِ عام پر آنا شروع ہو گئے ہیں[۱]" ــــــ لیکن پھر بھی بعض قلم کار، حقائق سے رُوگردانی کر رہے ہیں اور تاریخ نویسی کی آڑ میں اپنے زورِ قلم سے جملہ مذہبی جماعتوں اور تمام علمائے کرام کو بیک جنبش قلم تحریکِ پاکستان کا مخالف ثابت کر کے اہلِ وطن کو مسندِ ارشاد پر فائز اہلِ علم سے بدظن کرنے کا "فریضہ" انجام دے رہے ہیں اور انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "انہوں نے (تمام علماءِ کرام نے) قیامِ پاکستان کی سر توڑ مخالفت کی تھی۔ اس زمانے میں ہندوستان میں علماء حضرات کی چار[۲] جماعتیں ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ چار جماعتیں دیوبندی، بریلوی، مجلسِ احرار اور جماعتِ اسلامی تھیں۔ اِن سب جماعتوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قائدِ اعظم اور قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی"۔ (دیکھیے۔ شہاب، پروفیسر رفیع اللہ۔ "سیرتِ قائدِ اعظم رح" ص ۱۶) "جمعیت العلماءِ ہند، آل انڈیا شیعہ کانفرنس، آل انڈیا مومن کانفرنس،

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

نے جمعیت العلماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے تحریکِ پاکستان کے دوران اس کے قیام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور تادمِ آخر اپنے "متحدہ ہندی قومیت" کے نظریہ پر قائم رہے)، اب نظریۂ پاکستان کی حامی و معاون جماعتوں کے کھاتے میں ڈالنا اور دوسرے مشاہیرِ پاکستان کے ساتھ ان کا شمار و قطار محلِ نظر ہے (دیکھیے۔ بلوچ، ڈاکٹر نبی بخش۔ "مولانا آزاد سبحانی" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء) "وہ تو غنیمت ہے کہ عینی شاہدوں کی ایک بڑی تعداد ابھی بقیدِ حیات ہے جو اس جھوٹ کے تار و پود بکھیرنے کا حق اور قدرت رکھتی ہے۔ ورنہ اگر تعاقب نہ ہو اور اس طرح کی "تحقیق" کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو نئی نسل مخالفینِ تحریکِ پاکستان ہی کو مجاہدینِ تحریکِ پاکستان سمجھنے پر مجبور ہو جائے۔" (مختار جاوید۔ "دارالعلوم دیوبند کے سو سال" مطبوعہ عظیم پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۰ء۔ ص ۳۰)

[۱] فاروق القادری، سید محمد: پیشِ لفظ "کانگرسی مسلمان اور حقائقِ قرآن" (از مفتی سید شاہ مصباح الحسن)، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء۔ ص ف،

مجلسِ احرارِ ہند اور جماعتِ اسلامی کے علاوہ مُتعدد دُوسری مذہبی تنظیموں کے جغادری مُلاؤں نے بھی تحریکِ پاکستان کے خلاف مُحاذ آرائی کی۔ قائدِ اعظم جناح کے خلاف کُفر کے فتوے صادر کیئے اور کانگریس کا ساتھ دیا" (بحوالہ زاہد چودھری۔ "پاکستان کی سیاسی تاریخ" جلد ۱، ص ۲۲۴) "یہ علمائے کرام ..... "امامُ الہند" مولانا ابُوالکلام آزاد کی قیادت میں مُسلمانوں کو کانگرس کے غُلام بنانے کی دُھن میں شب و روز کام کر رہے تھے۔ اِس مُہم میں دیوبندی اور بریلوی، سہارن پوری اور لاہوری، سُرخ پوش اور احراری سبھی شریک تھے[۲]" (دیکھیئے۔ بٹالوی، عاشق حسین "ہماری قومی جدوجہد" ص ۱۳۴ و ۱۳۵)

بظاہر ایسی تحاریر سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے "کہ علماءِ کرام نہ کسی کام کے ہیں اور نہ انہوں نے کوئی کام کیا ـــــ یہ خیال علماءِ حق کے متعلق اِنگریزی حکومت کے زیرِ اثر پیدا ہوُا اور پاکستان وُجود میں آنے کے بعد بھی قائم رہا۔ اِس خیال کو (درحقیقت) ان علماء نے تقویت پہنچائی جنہوں نے غیرِ محتاط طریقے سے ہنُود کا ساتھ دیا اور ان کے ہاتھ مضبوط کیئے[۳]، پھر انہیں علماء پر جب ڈاکٹر محمد اقبال

---

[۱] یہ بات حقائق و شواہد کے مُنافی ہے اور اِسے جُھٹلایا نہیں جاسکتا کہ "ہندوستان کی ریاست" میں جب بھی مُسلمانوں کو مُتحد کرنے کا مرحلہ درپیش ہوُا تو .... مذہب کو علامت بنا کر بر صغیر (برِ عظیم) کے بکھرے ہُوئے مُسلمانوں کو جمع کیا گیا اِس لیئے تحریکِ پاکستان میں بھی مُسلمانوں کو مذہب کی بُنیاد پر مُتحد کیا گیا اور تحریک کو مؤثر بنانے کے لیئے اِن میں مذہبی جوش و ولولہ زیادہ سے زیادہ پیدا کیا گیا۔" (مُبارک علی، ڈاکٹر۔ "المیۂ تاریخ" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۲۶۷)

[۲] "یہ بات مؤرخانہ دیانت کے خِلاف ہے"۔ (محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر "تنقیدات و تعاقُبات" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۰۵)

[۳] "وطن پرست مذہبی جماعتیں اِسلام کا نام لینے کے باوُجود قیامِ پاکستان کے نظریئے کو قبول کرنے سے قاصر تھیں۔ اِن میں خاکسار، احرار، جماعتِ اسلامی، دیوبند طبقۂ فکر کا بڑا حصّہ اور کُچھ عرصے

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

نے تنقید فرمائی، تو اس کی تعمیم کر کے تمام عُلماء کو اس میں شامل کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ خود ڈاکٹر اقبال نے عُلماء و صُوفیاء سے جو فیض حاصل کیا، وُہ محققین کے لیئے ڈھکی چُھپی بات نہیں[1]۔" چُونکہ مذکور مُصنفین نے جنگِ آزادی اور تحریکِ پاکستان میں عُلمائے حق کے تابناک کردار سے عوام کو بے خبر رکھنے اور تاریخ میں ثبت اور مُرتسم ان کی عظمتوں کے اَن مِٹ نقُوش[2] مِٹانے کی سعیِ لاحاصل کی ہے تو ہم نے جہاں ضروری سمجھا وہاں تاریخی حقائق و شواہد کو واشگاف کیا گیا ہے۔ "تاریخ (تو ویسے بھی افراد کا لحاظ نہیں کرتی[3]" اور یہ امرِ مُسلّمہ ہے۔ اِس لیئے واقعہ نویسی اور تاریخ نگاری میں کذب و افترا اور اِفتراح[4] کی گُنجائش کہاں !!

پیشِ نظر کتاب کی طبعِ ثانی پر مُمتاز مسلم لیگی راہنما محترم سید تابش الوری (ممبر صُوبائی اسمبلی) نے اپنی گُوناگُوں مصروفیات کے باوجُود نہایت وقیع اور فکر انگیز

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

کے لیئے عُلمائے اہلحدیث بھی شامل تھے۔ کانگرس چُونکہ قیامِ پاکستان کی شدید مخالف اور اکھنڈ بھارت کی علمبردار تھی۔ اِس لیئے اس کی حلیف مُسلمانوں کی (وطن پرست) مذہبی قوتیں بھی تحریکِ پاکستان کے رستے میں رُکاوٹ ثابت ہو رہی تھیں۔ دُوسری طرف مُسلمانوں کا سوادِ اعظم بریلوی طبقہ ائمہ کرام، مشائخ عظام ...... نے (آل انڈیا سُنی کانفرنس) کے پلیٹ فارم سے مُسلم لیگ (آل انڈیا مُسلم لیگ) کا کُھل کر ساتھ دیا۔" (رُوزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۷۔ نومبر ۱۹۹۵ء، اداریہ بعنوان "دینی جماعتیں اور مُسلم لیگ، مخمصہ کیسا !!")

[1] عاشقُ الرّسُول مولانا محمد عبد القدیر بدایُونی از پروفیسر محمد مسعُود احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۶

[2] "اہلِ سنّت اور جمعیت (جمعیت عُلماء پاکستان) کے قائدین نے ـــــ تحریکِ پاکستان میں مُسلم لیگ کا ساتھ دے کر قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کی تھی ...... اہلِ سُنت اور جمعیت کے قائدین قیامِ پاکستان کی تحریک اور مقاصد کے بارے میں کبھی فکری اِنتشار کا شکار نہیں ـــ" (دیکھیئے رُوزنامہ نوائے وقت لاہور یکم نومبر ۱۹۹۵ء۔ اِداریتی شذرہ کالم ۲ اور ۳)

[3] شاہراہِ پاکستان از چودھری خلیقُ الزّمان مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۳۵۸

[4] افتراح - اِف تَراح ـ بے سوچے بات کہنا۔ (فرہنگِ عامرہ)

انداز میں پیشِ لفظ تحریر فرمایا ہے اِس کے لیئے ہم موصُوف کے تہِ دل سے ممنون ہیں۔

چُونکہ دونوں جِلدوں کے صفحات مُسلسل ہیں اِس لیئے دونوں جِلدوں کا تفصیلی اِشاریہ جِلد دوئم کے آخر میں دیا گیا ہے۔

اُمید بلکہ یقین ہے کہ زیرِ طباعت حصّۂ دُوم تحریکِ ترکِ مُوالات کی ایک اہم تاریخی دستاویز ثابت ہوگی۔ تاریخ[1] کو عقیدہ کا درجہ دینے والے مؤرخین نے جن حقائق کو قصداً نظر انداز کیا ہے اب وُہ نئی آب و تاب سے قارئین کی ضیافتِ طبع کا سامان بنیں گے۔

اِن شاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمّد جلال الدّین قادری عفی عنہ
کھاریاں،

---

[1] "پاکستان کی سیاسی تاریخ" جلد ۱ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ —

"مطالعۂ تاریخ دراصل ایک سائنس ہے (سائنس ایسا علم ہے جو حقائق یا صداقتوں سے سروکار رکھتا ہو۔ قومی انگریزی اُردو لغت، ص ۱۷۷۱) اِس میں ذاتی پسند یا ناپسند کا کوئی دخل نہیں ہے۔ تاریخ کوئی عقیدہ نہیں ہے، اس کا مُطالعہ عقائد کی بُنیاد پر نہیں بلکہ معروضیت کی بُنیاد پر ہونا چاہیئے —— عقائد —— عقیدہ پرستی کے شکنجے میں پھنس کر نہ تو ماضی کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے نہ حال کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ مستقبل کے بارے میں کوئی درست پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔"

(پاکستان کیسے بنا؟ مطبوعہ اِدارۂ مُطالعۂ تاریخ، لاہور ۱۹۹۴ء - اشاعت دُوم، ص ۱۱ و ۱۲)

سخنہائے چند

سید تابش الوری

تحریکِ پاکستان کے پس منظر و پیش منظر سے آگاہی کے بغیر ۴۷ء سے قبل ہندو قوم کی ملتِ اسلامیہ سے بدترین نفرتوں، انگریز سامراج کی در پردہ منافقتوں، مسلمانوں کی معاشی و معاشرتی پسماندگیوں اور خود مسلمانوں کے مختلف دینی و سیاسی گروہوں اور شخصیتوں کے پاکستان دشمن رویّوں کا احساس و ادراک ممکن ہی نہیں،

پاکستان کو قائم ہوئے نصف صدی بیت رہی ہے مگر قومی المیہ یہ ہے کہ ہم ابھی تک نئی نسلوں کو قیامِ پاکستان کے محرکات و مضمرات سے پورے طور پر روشناس نہیں کر سکے۔ نتیجہ کسے معلوم نہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی تخلیق کے باوجود ہم اس عظیم کارنامے پر حقیقی احساسِ تفاخر، پاکستان سے سچی محبت، اور پاکستانیت کے بیدار جذبوں سے تہی دامن نظر آتے ہیں۔

دو قومی نظریہ کیا تھا؟ تحریکِ پاکستان کن خطوں سے ابھری؟ اور کن کن مرحلوں سے گزری؟ مخالفتوں کے کیسے کیسے کوہِ ہمالیہ سامنے آئے؟ موافقتوں کی کیا کیا بلند پروازیاں ہوئیں؟ غیروں نے کیسی کیسی جنگیں لڑیں؟ اپنوں نے کس کس طرح سازشیں کیں؟

ہزاروں بستیاں کیسے ویران ہوئیں؟ سینکڑوں شہر کیسے اجڑے؟ ہزاروں عصمتوں کے فانوس کس کس طرح بجھے؟ ہزاروں لاشے کیسے خاک و خون میں ڈوبے؟ کروڑوں بھرے پُرے گھر کیسے لٹے؟ اور کروڑوں افراد کس طرح دربدر ہوئے؟

یہ ایک طویل خونچکاں اور دِلگداز داستان ہے۔ جب تک کسی چیز کی قیمت معلوم نہ ہو اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔
پاکستان یُونہی کسی اشارے، کسی جادوئی عمل، کسی کرشمے سے ظہور پذیر نہیں ہُوا۔ اس کے لیئے تاریخ ساز طویل جدوجہد ہُوئی ہے۔ خوفناک سیاسی و عصبیتی جنگیں لڑی گئی ہیں، بے مثال رشتوں اور جذبوں کی قربانی دی گئی ہے، اربوں رُوپے کی جائیدادیں گنوائی گئی ہیں، لاکھوں عزّتیں لُٹی ہیں اور کروڑوں افراد کو آگ اور خون کے دریا سے گزرنا پڑا ہے!
تحریک پاکستان کی اِن جیتی جاگتی یادوں، لمحوں اور گوشوں کو اُجاگر رکھے بغیر، اور تحریک کے کارکنوں، راہنماؤں، مجاہدوں اور شہیدوں کی لہو رنگ تاریخ کو مشعل بنائے بغیر، اردگرد پھیلی ہُوئی غلط فہمیوں، گمراہیوں اور لاعلمیوں کے اندھیرے دُور نہیں کیئے جا سکتے۔
قومی سطح پہ نہ صرف یہ کہ نظریۂ پاکستان کو فروغ دینے کی منظم و مؤثر شعُوری کوشش نہیں کی گئی اور اسکے مختلف زاویوں کو پورے طور پر نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ بانئ پاکستان قائداعظم محمّد علی جناح کی عظیم شخصیت بھی قومی و بین الاقوامی سطح پر اُس قدوقامت کے ساتھ اُجاگر نہیں کی گئی جو اُس کی عظمت کا تقاضا تھا۔
قائدِ اعظم — تاریخ کی اُن منفرد ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں ناممکن کو ممکن، خواب کو حقیقت اور فکر کو عمل بنا دیا۔ مُسلم لیگ کے پرچم تلے انہوں نے ایک خوابیدہ، مُنتشر اور مایوس قوم کو منظم و متحرک کر کے ایک طرف انگریز اور ہندُو سامراج کو شکست فاش دی اور دُوسری طرف تاریخ کا زاویہ اور کائنات کا جغرافیہ تبدیل کر کے اسلام کی بُنیاد پر ایک نئی ریاست کو منصۂ شہُود پر جلوہ گر کر دیا۔

ضرورت اِس بات کی ہے کہ افراد اور اِدارے بڑے پیمانے پر سائنسی انداز میں تحریکِ پاکستان کے مختلف پہلوؤں کو نئے نئے تحقیقی و تشہیری زاویوں سے سامنے لائیں۔ اِس سمت میں جہاں اور جیسی بھی پیش رفت ہو اُسے سراہا جانا چاہئیے۔ مولانا محمد جلال الدین قادری نے بھی زیرِ نظر کتاب میں تحریکِ پاکستان کے حوالے سے ایک خاموش گوشے کو بے نقاب کیا ہے۔ متّحدہ ہندوستان میں ہندو ہی نہیں مسلمانوں کا ایک بڑا اہم دینی و سیاسی طبقہ بھی پاکستان کے قیام کا مخالف تھا وہ ہندوستان میں رہنے والی تمام قوموں کو، ایک ہندوستانی قوم کے سحر انگیز نعرے کا اسیر بنا کر تقسیم ہند کی مزاحمت کر رہا تھا۔ تحریکِ پاکستان کے جانبازوں نے چومکھی لڑتے ہوئے غیروں کو ہی نہیں "اپنوں" کو بھی للکارا اور دلیل اور رائے کی قوّت سے میدان مار لیا۔ جلال الدین صاحب قادری نے ہندو مسلم قومیت کے موضوع پر مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سیّد سلیمان اشرف کے درمیان ایک تاریخی مناظرے کی رُوداد ہی اِس کتاب میں پیش نہیں کی بلکہ تحریک کے حوالے سے بہت سے اِقتباسات، تبصرے، دلائل اور حقائق بھی یکجا کر دیئے ہیں، جن سے دو قومی نظریئے، اور پاکستان کی موافقت و مخالفت کے کئی گوشے آئینہ ہو گئے ہیں۔

اگرچہ کتاب کی تحریر و تدوین کا انداز بہت قدیم اور روایتی ہے تاہم تحریکِ پاکستان پر تحقیقی کام کرنے والوں کو بطورِ ریفرنس یہ بہت مددگار ثابت ہو سکے گی اور پاکستانیات کے حوالے سے نئی نسل کی راہنمائی بھی کر سکے گی۔

۵۔ اگست ۱۹۹۶ء

سیّد تابش الوری

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ

تضمین بر اشعار علامہ اقبالؒ

(از خان صفدر حسین خان نظیرؔ لدھیانوی)

جو جانتا نہیں جینا وہ جانے کیا مرنا — حرم سے ٹوٹ کے دشوار ہے بسر کرنا
جہاں میں ہر کہیں رہنا عرب کا دم بھرنا — عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

حدودِ ہند و سمرقند و چیں میں ہے پابست — ہے فکرِ جامِ شرابِ کنشت سے سرمست
حرم کو چھوڑ کے بتخانے سے ہوا پیوست — سرودِ بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است

روا نہیں ہے تمیزِ جمال و صورت و پوست — جہاں میں متحد اک لاالٰہ سے ہیں سب دوست
متاعِ فخر نہ دہلی نہ اصفہان نہ خوست — بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

ہفتہ وار سعادت لائل پور (فیصل آباد)
۸ جولائی سنہ ۱۹۴۵ء، صفحہ ۵

پس منظر
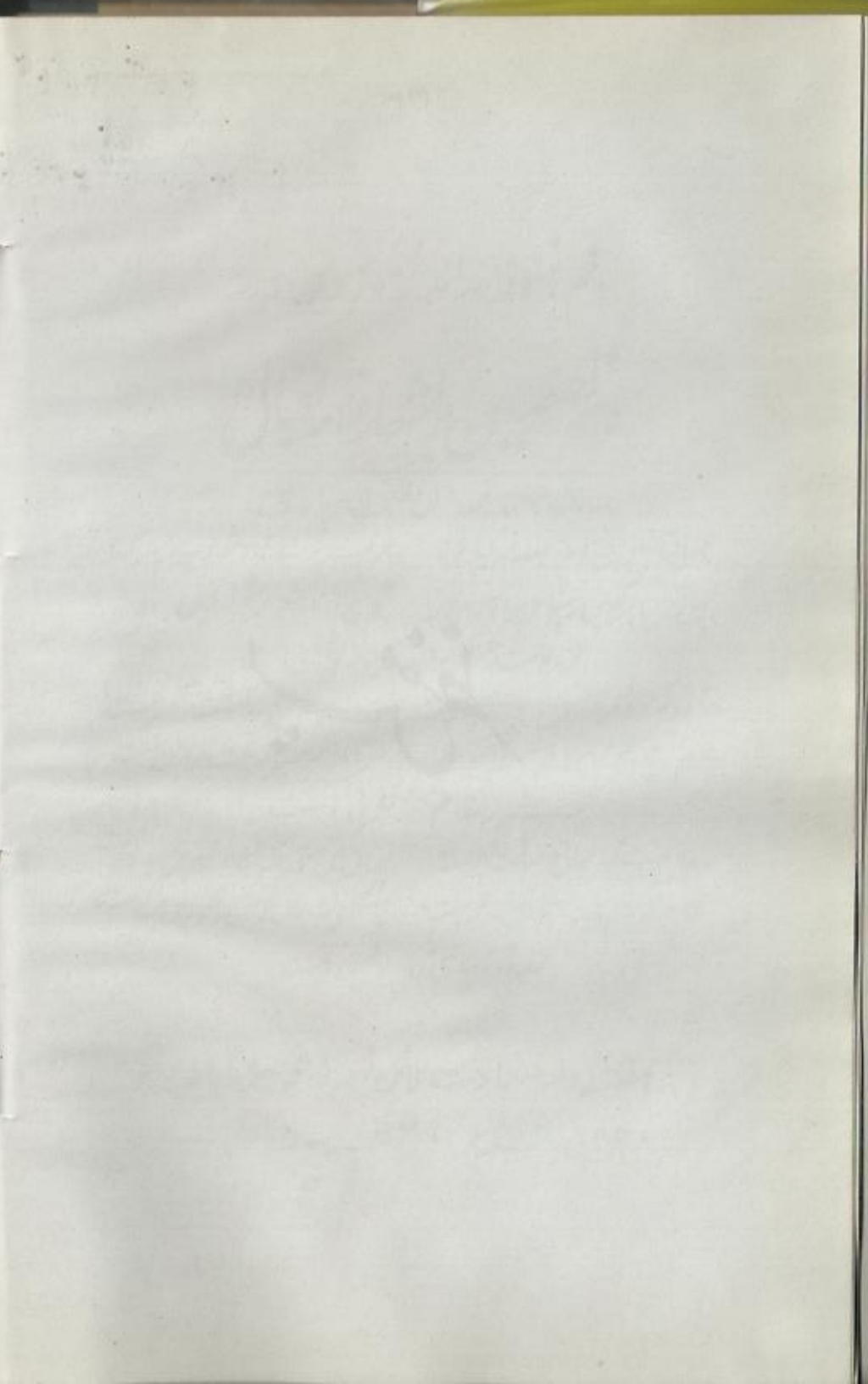
۱۹۱۹-۲۰ء میں برِعظیم مختلف تحریکوں کی آماجگاہ بنا ہُوا تھا۔ پشاور سے لے کر راس کماری اور کاٹھیاواڑ سے لے کر آسام تک ہر طرف اجتماعات، احتجاجات، جلوس، جلسے، گرفتاریاں، آزادی کے نعرے، وطنیت اور قوم پرستی کے بلند بانگ دعوے، آپس میں ایک دُوسرے پر اتہامات اور مخالفین پر انگریز وفاداری کے الزامات ــــــ غرض ایک طوفان برپا تھا۔ یہ وُہ وقت تھا جب پنجاب میں انگریز مظالم کا زخم ہرا تھا۔ مقاماتِ مقدسہ اور مآثر شریفہ کی تباہی و بربادی کے داغ تازہ تھے، انگریزوں اور فرانسیسیوں نے مل کر عالمِ اسلام پر قبضہ کر لیا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ عظیم ترکی کی عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ سلطنتِ اسلامیہ کے ساتھ اس توہین آمیز سلوک پر اسلامیانِ ہند قدرتی طور پر مشتعل ہو گئے۔ کیونکہ ان کی دلی ہمدردیاں اور وفاداریاں ہمیشہ ترکی کے ساتھ وابستہ رہی تھیں۔ ترکی خلافت کے غیر متوقع خاتمہ کے صدمہ نے برِعظیم میں انگریزوں کے خلاف مسلسل احتجاجات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

---

۲۱ ستمبر ۱۹۱۹ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس نے لکھنؤ میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔ جس میں مجلس خلافت قائم کی گئی۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو پُورے برِعظیم میں "یوم خلافت" منایا گیا۔ ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں جلسہ ہوُا جس میں تحریک خلافت میں غیر مسلموں سے تعاوُن کی اپیل کی گئی۔ یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو امرتسر میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ امرتسر کے اجلاس میں کُل ہند بُنیادوں پر فروری ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں پہلی خلافت کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ جس میں شرکت کے لیے ملک کے ہر حصّے سے مسلمان

بڑے جوش وخروش سے بمبئی پہنچے۔ خلافت کمیٹی کے ارکین اور مجلسِ عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا، اِس کانفرنس میں ابوالکلام آزاد نے بھی شرکت کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک بھر میں آناً فاناً خلافت کمیٹیاں قائم ہوگئیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اعتدال پسند جماعت مسلم لیگ بھی تحریک خلافت کے جوش میں آکر دب جائے گی۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں مولانا حسرت موہانی نے دہلی میں "خدام خلافت کانفرنس" منعقد کی جس کا مقصد خلافت کمیٹی کا مرکزی دفتر دہلی میں منتقل کرنا تھا۔

تحریک خلافت جن مقاصد کو لے کر اٹھی وہ بڑے پاکیزہ تھے، ان مقاصد میں مقامات مقدسہ و مآثر شریفہ کی حفاظت اور سلطنت ترکی کی بحالی شامل تھے۔ چونکہ یہ مقاصد خالص اسلامی و روحانی اقدار کے حامل تھے، ان کا تعلق براہ راست مسلمانوں سے تھا اس لیے برعظیم کی باقی اقوام کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا۔

بریگیڈیئر گلزار احمد لکھتے ہیں :-

"قدرت کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ خلافت تحریک کے دوران دس کروڑ مسلمانوں کا مستقبل ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں دیا گیا، جو کسی طرح بھی اُن کا خیر خواہ نہیں کہلا سکتا تھا اور جسے اسلام سے دُور کا واسطہ نہ تھا۔"[1]

سردار محمد خاں عزیز رقمطراز ہیں :-

"مسلمان تباہ و برباد ہورہے تھے، لیکن اپنے جذبات کے جنون میں کسی کی نصیحت پر کان نہ دھر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ معمولی

---

[1] ارشادات قائدِ اعظم مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۲

سی بات بھی نہ آتی تھی کہ چلئے ہندوستان کو سوراج دلانے کی بات تو ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن مہاتما گاندھی کو ترکی خلافت اور ترکی سلطنت سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ خلافت کے تحفّظ اور عدمِ تحفّظ سے ان کا کیا تعلّق ہو سکتا ہے۔" [۱]

مسٹر کرم چند موہن داس گاندھی مسلمانوں کو اپنے زیر اثر لانے اور ان پر اپنا تسلّط جمانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ تحریکِ خلافت سے مسلمانوں کا دلی لگاؤ دیکھ کر فوراً مسلمانوں کے مطالبات کی تائید میں آگے بڑھا۔ مذکورہ ہیجانی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ لگا کر خلافت کمیٹی اور کانگریس میں اتحاد کرا دیا۔ بلکہ خلافت کمیٹی کے ایک اجلاس کی صدارت بھی کر ڈالی [۲]۔ جون ۱۹۲۰ء میں بنارس میں آل انڈیا کانگریس

---

[۱] سرگذشتِ پاکستان مطبوعہ لائل پور ۱۹۷۴ء، ص ۵۹

[۲] جس میں سوامی شردھانند اور کچھ اور ہندو راہنما بھی شریک ہوئے .... گاندھی جی نے اُردو میں تقریر کی اور پہلی بار "نان کو آپریشن" کی انگریزی ترکیب استعمال کی جس کا ترجمہ بعد میں ترکِ موالات (ابوالکلام آزاد) اور عدم تعاون (ظفر علی خاں) نے کیا۔ گاندھی نے خلافت کے ساتھ بڑے نفسیاتی انداز میں "گئو رکھشا" کا تذکرہ بھی کیا۔ اس بارے میں وہ "تلاشِ حق" میں لکھتے ہیں: "میرا یہ استدلال حاضرین کو پسند آیا اور گئو رکھشا کے سوال پر کانفرنس میں بحث نہیں ہوئی، لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالباری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا: "خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں، مسلمانوں کو اپنے برادرانِ وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گاؤ کُشی ترک کر دینا چاہیئے۔" اور ایک زمانے میں واقعی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان گاؤ کُشی بالکل موقوف کر دیں گے"۔ خلافت کمیٹی کے اس اجلاس نے عظیم الشان تحریکِ خلافت کی راہ ہموار کی اور ترکِ موالات کا ایک مُبہم سا تصوّر دیا۔" (بحوالہ ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین۔ "مولانا ظفر علی خاں" مطبوعہ سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۳ء۔ ص ۱۶۳)

کمیٹی کے اجلاس میں خلافت کمیٹی سے کہا گیا کہ وہ مجلس ترکِ موالات (نان کوآپریشن) کے نام سے ایک انتظامیہ بنائے اور مفصّل پروگرام مرتّب کر کے اس پر عمل درآمد کرائے۔ ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کو مسٹر گاندھی، خلافت کمیٹی اور جمعیت علمائے ہند کے رہنماؤں نے ایک مشترکہ منشور کے ذریعے ترکِ موالات کا پروگرام بنایا۔

لہ جمعیت علماء ہند کا قیام دسمبر ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام کی مختصر تاریخ اور غرض و غایت تحریکِ پاکستان کے رہنما اور قائدِ اعظم کے معتمد ساتھی حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (م ۱۹۷۰ء) کی زبانی سنیئے، آپ فرماتے ہیں:-

"۔۔۔ دہلی کی جمعیت علمائے ہند جسے حضرت مولانا عبدالباری (م ۱۹۲۵ء) اور مولانا محمد علی (م ۱۹۳۱ء) اور حضرت مولانا عبدالماجد صاحب (م ۱۹۳۱ء) رحمۃ اللہ علیہم کے مقدس ہاتھوں قائم ہونے کا شرف حاصل تھا اس کے قیام کی غرض فقط یہ تھی کہ سیاسی جماعتوں اور ان کے سیاسی مسائل کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں جانچا جائے اور مذہبی احکام کے ساتھ حضرات علماء مسلمانوں کی سیاسیات میں رہنمائی فرمائیں افسوس کہ یہ جماعت مشرکینِ ہند کی دوستی کی بدولت مسلمانانِ ہند سے کٹ کر کانگریس کی آغوش میں جا پڑی۔ یہی سبب تھا کہ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قادری و مولانا محمد علی نے "توسیع نظام علماء" اور اس کے بعد "جمعیت علماء کانپور" قائم کی جس میں ہندوستان کے ہر گوشہ کے علماء و مشائخین نے امداد و اعانت فرمائی۔ یہ جمعیت اپنے محرکین کی حیات و ممات کے بعد بھی کام کرتی رہی آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد سے برابر مسلم لیگ کی تحریکات کی تائید کرتی رہی۔ اس کے ذمہ دار حضرات مسلم لیگ کے پلیٹ

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۹ر جولائی ۱۹۲۰ء کو گاندھی نے خلافت کانفرنس کی مجلس عدم تعاون کی طرف سے ترک موالات کے منصوبے کا اعلان کر دیا جس کے تحت خطابات کی واپسی، سرکاری عہدوں سے دست برداری، سرکاری مجالس میں عدم شرکت، قانون پیشہ افراد کا وکالت ترک کر دینا، سرکاری مدارس کا مقاطعہ، مجلس اصلاحات کا مقاطعہ اور سودیشی مال کا پروپیگنڈہ شامل تھا۔ جمعیت علمائے ہند اور خلافت کمیٹی کے اراکین سلطنت ترکی کے تحفظ کے جنون میں جذبات میں کھو گئے۔ انہیں اس بات کا قطعاً ہوش نہ رہا کہ گاندھی اور اس کی ہندو کانگریس کی یہ وقتی ہمدردیاں انہیں کس مپرسی کی منزل پر چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائیں گی۔ اس طرح گزشتہ چند سالوں میں جو تھوڑی بہت سیاسی اور معاشی ترقی ہوئی ہے اسے بھی ناقابل برداشت نقصان پہنچے گا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

فارم سے اپنا اسلامی فرض ادا فرما رہے ہیں۔ شملہ کانفرنس کے موقع پر اس جمعیت نے ہر گوشہ کے علماء و مشائخین کی آواز مسٹر جناح کی تائید میں حاصل کر کے وائسرائے تک پہونچا دی یہ مانا کہ "جمعیت علمائے کانپور" حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قادری یا مولانا منظہر الدین (م۔ ۱۹۳۹ء) صاحب کے زمانۂ حیات کی طرح نمایاں نہ رہی جس کا سبب فقط یہ ہوا کہ اس کے ذمہ دار کارکنان آل انڈیا مسلم لیگ کی تحریکات میں منہمک ہو گئے۔ اور لیگ کے پلیٹ فارم سے با اوقات مختلف اپنے فرائض کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔"

(اخبار دبدبۂ سکندری رامپور ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء، ص ۶)

نوٹ:۔ مولانا موصوف کے مذکورہ بالا بیان کی تائید میں بیس کے قریب دیگر اکابر علمائے بدایوں کے اسماء درج ہیں۔ قادری

۱۹۲۰ء میں گاندھی نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک اور چال چلی جمعیت العلماءِ ہند اور خلافتی لیڈروں سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دلوا کر ہندوستان سے ہجرت کا فتویٰ جاری کروا دیا۔ گاندھی کی اِس سازش کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اجتماعاً ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جائیں گے۔ اِس سارے پروگرام میں ہندوؤں کی چاندی ہی چاندی تھی، مسلمانوں نے اپنے مکانات اور تجارتی مراکز چند ہی دنوں میں ہندوؤں کے ہاتھوں کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر دیئے مسلمانو کی اِس تباہی و بربادی[1] کو دیکھ کر گاندھی اور کانگرسی لیڈر اپنے ناپاک منصوبے کے تحت کام ہوتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

تحریک خلافت اور جمعیت علماءِ ہند کے زعماء گاندھی سے اتنے مسحور ہو چکے تھے کہ بے شمار ناکردنی باتیں بھی کرنے لگے۔ دستار و جبّہ اور علم و فضل کے باوجود ان سے بعض ناجائز حرکات سرزد ہونے لگیں۔ گاندھی کی قیادت کو ایمان کا جزو تسلیم کیا گیا، اسلامی شعائر کو ترک کر کے شعائرِ کفر اختیار کئے گئے، ہندو مسلم بھائی

---

[1] خلافت کمیٹی کے علم برداروں نے سب سے پہلے ہجرت کا ڈنکہ بجایا۔ ہزاروں سادہ لوح لیکن ایمان کے پکّے مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں فروخت کیں، عورتوں کو طلاق دیئے، چھوٹے چھوٹے بال بچّوں کو بلکتا چھوڑا۔ بہتوں کی جانیں پشاور اور کابل کے سڑک پر تلف ہو گئیں۔ بعض منزل مقصود پر پہنچ کر جاں بحق ہوئے بعض واپسی پر راہ میں تباہ ہوئے۔ اکثر کا روپیہ پیسہ لوٹا گیا۔ جو بچ کر واپس آئے ان میں سے اکثر گداگری کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح خلافت کمیٹی نے ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کی شہادت اور بربادی کا ثواب وصول کیا۔

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام انہوں نے"

(دیکھیے۔ روزانہ پیسہ اخبار لاہور ۸- اپریل ۱۹۲۱ء اداریہ بعنوان: "معاملہ ہجرت میں صریح ناکامی")

بھائی کے نعرے لگائے جانے لگے. قرآن وحدیث پر ایمان والقان کو ایک بُت پرست پر نثار کر دیا گیا، قرآن اور گیتا دونوں کو الہامی کتابیں سمجھ کر ایک ہی درجہ دیا گیا، ناپاک ہندوؤں کو مساجد میں لے جا کر انہیں مسلمانوں کے واعظ وخطیب کا درجہ دیا گیا، انہیں منبروں پر بٹھایا گیا، ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر ذبیحہ گاؤ ترک کرنے پر عمل کیا گیا، ماتھوں پر قشقے لگائے گئے، ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا گیا. گاندھی کو بالقوہ نبی کہا گیا، اُسے مذکر کہا گیا، جمعہ کے خطبات میں اس کی تعریف وتوصیف کی گئی، اُس کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو قرآن وحدیث پر مُنطبق کیا گیا ــــــ ہاں ہاں اسلام کو برباد کرنے کی یہ سب ناپاک کوششیں خود دعوائے اسلام کرنے والوں کے ہاتھوں سرزد ہوئیں، مُسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے دردی سے نقصان پہنچایا گیا، اس کی مثال مشکل سے ملے گی.

اِس سے بڑھ کر مُسلمانوں کے ملّی تشخص کو ہندو مذہب میں مُدغم کرنے کی ناپاک کوششیں شروع ہو گئیں، جو جمعیّت عُلمائے ہند کے زُعماء کے ہاتھوں پروان چڑھ رہی تھیں. جمعیّت عُلماءِ ہند کے شعلہ بیان مقرر[1] اپنا سارا علمی زور اس پر صرف فرما

---

[1] روزنامہ نوائے وقت' لاہور اپنی ۲۶ اگست ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

"تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس قسم کے دُوسرے لوگ مثلاً ابوالکلام آزاد اور حُسین احمد مدنی صدر جمعیّت عُلمائے ہند اپنے دَور میں فنِ خطابت کے امام تھے. ہندو کانگریس نے ان کے فنِ خطابت ہی کی وجہ سے ان کو بھاری قیمت کے عوض خرید رکھا تھا. مُتحدہ ہندوستان میں جب کانگریس نے رابطۂ عوام کی ہمہ گیر مُہم شروع کی تو سادہ لوح مُسلمانوں کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لیئے انہیں حضرات کے فنِ خطابت کا استعمال کیا ـــــ"

رہتے تھے کہ مسلمان بھی ہندو قومیت کا جزو ہیں —— بلکہ ہندو قومیت سے سے بڑھ کر ایک ایسے نئے مذہب کی تشکیل کی کوششیں شروع ہوئیں جو ہندو مسلم امتیاز کو ختم کر دے۔ [1]

غرض جمعیت علماءِ ہند اور تحریک خلافت کے اکابر نے اپنی کورانہ و غیر مُبصرانہ کارروائی میں وہ کچھ کیا جس کا تصور بھی آج روح کو مضطرب کر دیتا ہے، ان کی غیر اسلامی حرکات کا محض تذکرہ بھی طبائع پر گراں ہے اور بعض حضرات کے نزدیک تہذیب اور رواداری کے خلاف بھی ——

---

[1] ۶ر جون ۱۹۲۰ء کو خلافت کمیٹی، الہ آباد کے اجلاس کی رپورٹ میں مولوی شوکت علی مرحوم فرماتے ہیں:۔

"الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ایثار و رفاقت کی اسپرٹ کو ان شاء اللہ ترقی دیگا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔"

(اخبار ہمدم لکھنؤ ۸ر جون ۱۹۲۰ء بحوالہ تحریک آزادیٔ ہند اور السّواد الاعظم، ص ۸۲)

روزنامہ نوائے وقت، لاہور اپنی ۲۸ر مارچ ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ:۔

"اگر مسلم قومیت کا تصوّر دھندلایا تو تحریکِ خلافت کے بعد، جس کی باگ ڈور کمال ہوشیاری و عیّاری سے گاندھی نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مسلمانوں کی منفرد قومی حیثیت بھی مخدوش بنی، مسلم سیاست کی بے وقعتی اور بے وزنی کا یہ عالم تھا کہ کانگرس نے پھر مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کو نہ مانا حالانکہ معاہدہ لکھنؤ کے ذریعے ۱۹۱۶ء میں اس نے انہیں تسلیم کر لیا تھا۔"

تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت میں سیاسی بصیرت کے حامل علماء و اکابر نے خلافت کمیٹی اور جمعیت علماءِ ہند کے طرزِ عمل کی مخالفت کی۔ چونکہ یہ حضرات ہر معاملہ کو شرعی اور اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے، اس لیے ان کی مخالفت کی وجوہ بھی خالصتاً اسلامی تھیں۔ یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ ان کی شرعی علائم سے مخالفت ——— مسلمانوں کے لیئے سیاسی طور پر نہایت مفید تھی، ——— ان کی راہ نمائی و لائحہ عمل ہی اسلامیانِ ہند کے لیئے سیاسی، معاشی اور مذہبی لحاظ سے واجب العمل تھا۔ خلافت کمیٹی اور جمعیت علماءِ ہند کے اس طرزِ عمل (جو وطنیت اور جمہوریت کے یورپی تصورات پر مشتمل تھا) کی مخالفت کرنے والے علماءِ اہلسنّت، جن میں اکثر و بیشتر کا رُوحانی تعلق سرزمینِ بریلی سے تھا، ——— اور مسلم لیگ کے چند حقیقت پسند اکابر مثلاً قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال وغیرہ کے اسمائے گرامی سرِ فہرست ہیں۔

ان علماء حضرات کا موقف یہ تھا کہ "اگرچہ سُلطانِ ترکی بوجہ فقدانِ شرطِ قرشیت شرعی اصطلاحی خلیفہ نہیں تاہم سلطنت ترکی کی حفاظت و اعانت ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت فرض ہے۔ عالمِ اسلام اور عریض و وسیع سلطنت ترکی میں واقع مقاماتِ مقدّسہ اور مآثر شریفہ کی حفاظت و صیانت ہر مسلمان کا اوّلین فریضہ ہے مگر استطاعت شرط ہے۔"[۱]

---

[۱] تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو:۔

(ا) دوام العیش فی الائمۃ من قریش از امام احمد رضا مطبوعہ بریلی سنہ ۱۹۲۲ء

(ب) طرق الہدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد از مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں مطبوعہ بریلی سنہ ۱۹۲۲ء

(ج) برکات مارہرہ و مہانان بلاین از سید اولاد رسول محمد میاں مطبوعہ بریلی سنہ ۱۹۲۲ء

مُوالات سے متعلق ان کا مؤقف یہ تھا کہ "وِداد و اتحاد اور مُوالات ہر کافر ومُشرک سے ناجائز وحرام ہے، خواہ وُہ ہندو ہوں یا نصاریٰ۔ مُعاملت سوائے مرتد کے ہر کافر سے جائز ہے"۔ اِس کے برعکس جمعیت عُلماءِ ہند کے اکابر اور خلافتی لیڈروں کے افراط وتفریط کی حد یہ تھی کہ انگریزوں سے تو مُعاملت تک حرام ہے ـــــ اور ہندوؤں سے مُوالات بھی جائز بلکہ فرض، ان کی اِطاعت وانقیاد لازِم"

ہجرت کے بارے میں ان عُلماء اور اکابر کا نظریہ یہ تھا کہ "موجُودہ حالات میں ہجرت کرنا مذہبی اور سیاسی ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے"۔[۱]

سیاسی بے راہ روی اور عاقبت نا اندیشی کے اس دَور میں جذباتی فضا اپنے عروج پر تھی، دلائل ومعقولیت کی بات ختم ہو رہی تھی جمعیت عُلماءِ ہند کے اکابر یہ بھول چکے تھے کہ سابقہ زندگی میں وُہ مُسلمانوں کو کیا سبق دیتے رہے

---

[۱] میاں عبدالرشید نے "برطانوی دَور میں برِعظیم پاک وبھارت کی مُسلم سیاست" کے زیرِ عنوان تبصرہ کرتے ہُوئے عُلمائے اہلِ سُنّت کی دُور اندیشی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:۔

" ـــــ قائدِ اعظم کی طرح انھوں نے بھی ترکِ مُوالات اور تحریکِ ہجرت کی مُخالفت کی۔ "یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خُون دے کر حاصل کیا تھا ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درُست تھا۔ تحریک ترکِ مُوالات اور ہجرت سے مُسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبُوط ہُو گئی ـــــ "

(رُوزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ مئی ۱۹۷۵ء ص ۵)

تھے —— اسلامی تشخّص کے امتیاز و تحفظ کے بارے میں انہوں نے کیا کچھ کیا ہے؟ اس کی چند جھلکیاں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

روزنامہ زمیندار لاہور مجریہ ۲، مارچ ۱۹۴۷ء میں جناب رشید احمد کا ایک مضمون شائع ہُوا، جس کا عنوان تھا:

"۱۹۴۷ء میں ۱۹۱۲ء کے ابُو الکلام آزاد کی اخلاقی موت"

اس طویل مضمون میں "الہلال" اور "البلاغ" کے دَور کے ابُو الکلام آزاد کے نظریات کو سمجھنے کے لیئے کافی حوالہ جات خود ان کی تحریروں سے پیش کیئے جن میں یہ امر نمایاں ہے کہ اسلام اور مُسلمین کے بارے میں علمائے اہلِ سُنّت فرماتے ہیں —— دَور "الہلال" میں وُھی نظریات ابُو الکلام کے تھے —— اور آج تحریک خلافت اور تحریک ترک مُوالات میں ان سابقہ (اسلامی) نظریات سے انحراف کر چکے ہیں بلکہ مُسلمانوں سے کٹ کر کانگرس کے ہندوانہ پروگرام پر

لہ چُنانچہ مولانا ابُوالکلام آزاد نے خود بھی اس جرم کا اعتراف کیا تھا، تفصیل اس اجمال کی یُوں ہے کہ ڈیرہ غازی خان سے ایک وفد مُشتمل بر ملک محمد نواز نمائندہ نوائے وقت، ڈاکٹر احمد یار خاں قیصرانی۔ شیخ سجاد حیدر صدر عوامی مسلم لیگ، سردار غلام علی خان لغاری، چودھری اسمٰعیل شہید سابق سپرنٹنڈنٹ انجنیئر محکمہ انہار، سابق گورنر مغربی پاکستان میاں مُشتاق احمد گورمانی (متوفی ۱۹۸۱ء) سے ان کے آبائی دولت کدہ ٹھٹھ گورمانی، ضلع مظفر گڑھ میں مُلاقی ہُوا۔ گورمانی صاحب نے دورانِ گفتگو ملک محمد نواز کی طرف دیکھتے ہُوئے سرد آہ بھر کر کہا، "حمید نظامی عظیم انسان تھے۔" اس پر ڈاکٹر احمد یار خان نے میاں صاحب سے سُوال کیا۔ میاں صاحب! آپ بھی تو مولانا آزاد کے مدّاحوں میں شمار ہوتے تھے۔" تو اُنہوں نے جواب دیا۔ "میرے خالو سیّد غلام علی شاہ، تحصیلدار ڈیرہ غازی خاں الہلال منگایا کرتے تھے جس کے پڑھنے سے میں مولانا کا بے حد مدّاح بن گیا، لیکن بعد میں جب مولانا آزاد کانگریس اور گاندھی جی کے مُقلّد بن گئے تو

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

عمل پیرا ہیں اور کانگرس کے مہرے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ حالانکہ کانگرس خالص ہندوؤں کے مفادات کی حفاظت کر رہی تھی۔

جناب رشید احمد نہایت دلِ سوزی سے لکھتے ہیں:۔

"عالمِ دین ہوتے ہوئے آپ نے کانگرسی امراء و رؤساء سے مصاحب کا تعلق پیدا کر لیا ہے جو دُنیوی عزّ و جاہ کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے یہ سب سے بڑی دین و علم کی آزمائش تھی جو بوجہل زنجیر بن کر آپ کے پاؤں میں پڑ گئی۔ اب زر پرستی اور حصولِ عزّ و جاہ کی ہوس میں گرفتار ہو کر دین و علم کو اُمراء و رؤساء کی ابلیسانہ خواہشوں کے تابع کر دیا ہے۔ آپ کا وعظ و ارشاد حق کے لیئے نہیں بلکہ طلبِ دُنیا کے لیئے ہو گیا ہے اور خود ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئے اور جس چیز کو کانگرسی اُمراء و رؤساء کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتے ہیں کہہ دیتے ہیں اور جو ان کی خواہشوں کے مخالف پاتے ہیں، ترک کر دیتے ہیں۔"[2]

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

مجھے دُکھ پہنچا۔ جن دنوں میں علی گڑھ میں زیرِ تعلیم تھا تو وہاں سے ایک دن مولانا کی خدمت میں دہلی حاضر ہوا۔ مولانا صاحب سے مُلاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا "میں الہلال والے مولانا ابو الکلام آزاد کی زیارت کے لیئے حاضر ہوا ہوں۔" اِس پر مولانا آزاد کچھ دیر کیلئے سوچ میں پڑ گئے اور پھر یہ شعر پڑھا۔

ہم حق پرست مُعتکف دَیر ہو گئے کعبہ میں اہتمام نہ پا کر نماز کا

(روایت ملک محمد نواز جوئیا آف ڈی جی خاں)

اَب سُوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامُ الہند کہلانے والے مولانا صاحب نے راہِ فرار کیوں اختیار کی اور نماز کا اہتمام کیوں نہ کیا؟ (قادری)

---

[1] ابو الکلام آزاد نے کانگرس کا صدر بن کر قائدِ اعظم سے "کانگرس کا شو بوائے" کا لقب پایا۔
[2] روزنامہ زمیندار لاہور ۲ مارچ ۱۹۴۷ء بحوالہ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور ۱۵ مارچ ۱۹۴۷ء ص ۴

ابوالکلام آزاد نے گاندھی کے سحر سے مسحور ہونے سے قبل اسلام کی قوتِ حاکمہ اور زندگی کے ہمہ پہلوؤں پر محیط ــــــ اسلام کے بارے میں ۱۹۱۲ء میں لکھا:-

"اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان اپنے کسی عمل و اعتقاد کے لیئے بھی اِس کتاب (قرآن مجید) کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہ نما بنائے وہ مسلم نہیں، بلکہ مشرک فی صفاتِ اللہ کی طرح مشرک فی صفاتِ القرآن کا مجرم اور اِس لیئے مشرک ہے۔ اسلام اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ اس کے پیروؤں کو اپنے پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کے لیئے ہندوؤں کی پیروی کرنی پڑے۔ مسلمانوں کے لیئے اِس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی پولیٹیکل تعلیموں کے آگے جھک کر نیا راستہ پیدا کریں۔ ان کو کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں وہ خود دُنیا کو اپنی راہ پر چلانے والے ہیں اور صدیوں تک چلا چکے ہیں وہ خدا کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو ساری دُنیا اُن کے سامنے کھڑی ہو جائے۔"[1]

خط کشیدہ جملے دوبارہ پڑھیئے اور انقلاباتِ زمانہ کا نظارہ کیجیئے، تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں انہیں یہ بھول گیا تھا کہ خود انہوں نے کبھی یہ بھی لکھا تھا :-

---

[1] الہلال ۱۹ ردسمبر ۱۹۱۲ء بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۲۱۱

نوٹ : ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ابوالکلام آزاد کے تعارف میں لکھتے ہیں :-

"ــــــ اُن کی پرانی تحریریں ہمارے مزاج اور موقف سے مطابقت رکھتی تھیں ــــــ"

(دے ضوورتینِ الٰہی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء : ص ۲۵)

"ہمارے عقیدہ میں تو ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی اور تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو - ایک کفرِ صریح ہے اور پالیٹکس بھی اس میں داخل ہے افسوس کہ آپ حضرات نے اسلام کو کبھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا. مَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ورنہ اپنی پولیٹیکل پالیسی کے لئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کی اقتداء کی ضرورت پیش آتی." [۱]

اسلام کو تمام سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا حل بتانے اور غیر مسلموں بالخصوص —— ہندوؤں کی اقتداء سے بھاگنے والے ابوالکلام آزاد یہ بھی کہتے سُنے گئے کہ :-

"آج ہماری ساری کامیابیوں کا دارومدار تین چیزوں پر ہے اتحاد - ڈسپلن اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد." [۲]

یہ بھی کہا :

"مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد بھی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا اور صرف اسی سے ہم ایک فتح مند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں." [۳]

۱۹۳۱ء میں جب مولانا آزاد کی تفسیر چھپ کر سامنے آئی تو اس وقت تک وہ پکے قوم پرست بن چکے تھے، انہوں نے یہ تفسیر بھی گاندھی کی پالیسیوں

---

[۱] مضامین آزاد حصہ دوئم بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص ۲۳۱

[۲] اخبار انصاری ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء بحوالہ کانگرسی مسلمان اور حقائق قرآن، ص ۱۴۳

[۳] ایضاً، ص ۶۰

اور کانگرسی نظریات کو قرآن کے مطابق ثابت کرنے کے لیے لکھی۔[1] یہی وجہ ہے کہ متعصب ہندو (جسے قرآن کی تفسیر سے کوئی غرض نہیں ہو سکتی) گاندھی نے اس تفسیر کے بعض حصوں کا ہندی میں ترجمہ کروا کر شائع کیا۔

اِس حقیقت کو خود گاندھی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۳۱ء میں ایک تقریر کے دوران کہا:

"مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وُہ نجات و سعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے، لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو

---

[1] مشہور مؤرخ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں:-

"بدر الدین طیب جی سے لے کر تصدق احمد خاں شروانی تک، ہندوستان کے بیسیوں مسلمان اکابر وقتاً فوقتاً کانگرس میں شریک رہ چکے تھے۔ جن میں محمد علی ایسے آتش نفس، انصاری ایسے ایثار پیشہ، جناح ایسے آئین پسند، حسن امام ایسے قانون دان اور حسرت موہانی ایسے رئیس المتغزلین سبھی قسم کے لوگ موجود تھے۔ لیکن مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حِسی بلکہ سنگدلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت "امام الہند" (ابوالکلام) کے حصے میں آیا تھا۔ وُہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔"

(اقبال کے آخری دو سال مطبوعہ اقبال اکادمی، پاکستان کراچی (اشاعت اول ۱۹۶۱ء) ص ۴۶۷)

نوٹ: نامعلوم کن "مصالح" کی بنا پر مصنف نے جدید ایڈیشن سے مذکورہ حقائق حذف کر دیئے ہیں۔
قادری

مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام شائع کرایا ہے"۔[2]

علمائے اہلِ سنت اور مسلم لیگ کے تصورِ پاکستان کی مخالفت کے باوجود جناب ابوالاعلیٰ مودودی بھی ــــ ابوالکلام کے اس انقلاب حال کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"سب سے آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک تحریر ملاحظہ ہو جن کا انقلابِ حال میرے نزدیک مسلمانوں کے لیے اِس صدی کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے"[3]

کانگرسی نظریات کو ــــ اسلامی تعلیمات ثابت کرنے پر مودودی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"مسلمانوں کی یہ تصویر وہ شخص کھینچ رہا ہے جو ایک زمانہ میں اسلامی

---

[1] حالانکہ قرآن کریم کے ساتھ گاندھی کی دشمنی اِس حد تک تھی کہ وہ کہتے تھے "میں اردو بھاشا کا اِس لیے مخالف ہوں کہ اس کے اکثر الفاظ قرآنی بھاشا میں ہیں"۔

[2] مسلم انڈیا از کاش البرنی مطبوعہ سٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۴۲ء ص ۱۳۵

نوٹ :- تمام مذاہب کو اسلام کے ہم پایہ ثابت کرنے کے لیے ابوالکلام نے لکھا:

"اس (اسلام) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں۔"

(ایضاً ص ۱۳۰، ترجمان القرآن جلد اول، ص ۱۶۳، ۱۶۴)

[3] تحریک آزادی ہند اور مسلمان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۷۷

ہند کی نشأۃِ ثانیہ کا سب سے بڑا لیڈر تھا۔ ان کی مظلومی کا اس سے زیادہ دردناک منظر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو کبھی "الہلال" اور "البلاغ" کا ایڈیٹر تھا وہ آج ان کی اس قدر غلط ترجمانی کرے"[1]

مسلمانوں کا مذہبی و تہذیبی تشخص مسلمہ تھا اور ہے، وہ کبھی ہندوؤں میں ضم نہ ہوا تھا ــــ لیکن مولانا حسین احمد مدنی نے عالم ہونے کے باوجود[2] ــــ مسلم قومیت کی حمایت و تحفظ کی کوششوں کو غیر فطری اور انگریزوں کی چال اور سازش قرار دیا، جمعیت علمائِ ہند، لکھنؤ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۷ء میں جو

---

[1] تحریکِ آزادئ ہند اور مسلمان مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء ص ۱۷۹

[2] وہ کھلے بندوں مسلسل یہ اعلان کرتے رہے کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" "مولوی حسین احمد مدنی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے ہاتھوں میں اس نظریۂ قومیت کا پرچم تھا اور ان کے پیچھے جمعیتہ علماءِ ہند کا کارواں رواں دواں تھا۔" ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں حضرت شیخ الاسلام (حسین احمد مدنی) کا عملی حصّہ" کے عنوان سے "متحدہ قومیت" کا ذکر کرتے ہوئے پروانہ ردولوی نے لکھا ہے:

"وطنِ عزیز کی یہ سرزمین .... دراصل ایک تہذیبی گلدستہ ہے جس کا ہر پھول اس رشتہ میں بندھا ہوا ہے جسے قومیت کہا جاتا ہے۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی، بدھ، جین اور پھر ہندوؤں میں بے شمار عقائد، مسلمانوں میں بھی ۷۲ فرقے۔ جینیوں اور بدھوں میں بھی عقائد کا فرق، لیکن اس مذہبی تفریق و تقسیم کے باوجود چالیس کروڑ عوام موتیوں کی ایک مالا ہیں جو قومیت کے ایک ہی رشتہ میں گندھے ہوئے ہیں۔

تاج محل کا حسن و جمال، لال قلعہ کا شاہانہ شکوہ، جامع مسجد کی پاکیزگی و طہارت، قطب مینار کی سر بلندی و عظمت، سومنات کا تقدس، انسانیت کے احساس اور اخلاق کی قدروں کو دھو کر اجلا کرنے والے ہردوار کے گھاٹ، بنارس کی روح افروز سحر، دلوں کی دنیا میں چراغاں

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

کچھ کہا گیا، اس پر قوم پرست نظریات کا پرچار کرنے والا رسالہ "مولوی"، دہلی رقم طراز ہے:-

"علمائے کانگریس کی جمعیت کا تاریخی اجلاس" ابھی لکھنؤ میں ہوا۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

کرنے والے دیوالی کے دئے (دیوے، دیپک، چراغ اور لیمپ)، ظلم و تشدد کے خلاف مظلومیت اور حق پسندی کی نتیجہ خیز جنگ کی یادگار دسہرا۔ اللہ کی اطاعت کے جذبات جگانے والی عید الفطر اور خدا کی راہ میں ایثار و قربانی کا شوق پیدا کرنے والی عید قربان۔ طریق و عمل کے فرق کے ساتھ ہندوستانی تہذیب کے مؤثر اجزاء ہیں اور ان اجزاء سے مل کر وہ تمدن بنا ہے، جس کا جوہر قومیت کا یہی قدیم اور کامیاب نظریہ ہے کہ ــــ قومیں اوطان سے بنتی ہیں...... کئی سو برس پہلے اکبر اعظم نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو ہندوستانی معیشت و معاشرت کے نظریہ کے طور پر تسلیم کر لیا (تھا)

تاریخ کے طویل عمل کا یہ گہرا ردِ عمل برطانوی حکمرانوں کی سیاسی مصلحتوں کی ظاہری و باطنی چوٹوں سے اگرچہ نوّے برس دبتا رہا، لیکن ملک کی آزادی و خود مختاری کی تحریک جس قوت سے شروع ہوئی، اسی وقت سے متحدہ قومیت کا ردِ عمل بھی قومی سیاست میں ابھرا رہا۔ جسے گاندھی جی نے کانگریس کی جملہ تحریکوں کی اساس بنایا ...... گاندھی جی کی یہ آواز ہندوستان کی آواز تھی جس کی بے پناہ تاثیر اور بے پناہ طاقت کا سبب یہی قدیم نظریہ تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذاہب سے نہیں بنتیں۔

چنانچہ جو آواز گاندھی جی کے لبوں سے بلند ہوئی وہی آواز حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کے صفحات سے بلند کی اور وہی آواز شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے پاکیزہ لبوں سے سنی گئی"

(روزنامہ نئی دنیا دہلی ۲۵- نومبر ۱۹۵۹ء، عظیم مدنی نمبر ص ۱۶۹- ۱۷۰ بحوالہ امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات از مولانا یٰسین اختر مصباحی مطبوعہ ملتان ۱۹۸۵ء- حاشیہ ص ۳۵۸ اور ۳۵۹)

جو تقریریں ہُوئیں جو تجویزیں پاس ہُوئیں ان میں تعجب اور حیرت سے زیادہ عبرت کا سامان نظر آیا۔ جناب حسین احمد صاحب نے اپنے خُطبہ صدارت میں چند ایسی باتیں کہیں جن پر تاریخ کا معمولی طالب علم بھی ہنس پڑے گا۔ جناب مدنی صاحب کے مُعتقد انہیں چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہتے ہیں، لیکن اُنہوں نے ہندو مُسلم مُناقشہ کو تیسری طاقت کا پیدا کیا ہوا اور غیر فطرتی بتایا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندو اور مسلمان باہمی اتحاد کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے تھے جو کُچھ جھگڑے اُٹھائے ہیں وُہ انگریزوں نے اُٹھائے ہیں۔ یہ بیان مسلّمات تاریخ کے خلاف ہے۔"[1]

غرض، تاریخ کا یہ باب اتنا دردناک ہے کہ اسے جتنا کریدا جائے گا اتنا ھی گھناؤنا نظر آئے گا۔

بریلی، بدایوں، فرنگی محل، مرادآباد اور خیرآباد وغیرہ علمی و رُوحانی مراکز برصغیر میں ھمیشہ نمایاں حیثیت کے حامل رہے۔ علم و فضل کے یہ سرچشمے اکثر و بیشتر اسلامی، ملّی اور سیاسی تحریکات کا منبع رہے۔ یہاں سے اُٹھنے والی آواز ہمیشہ با اثر ہوتی اور وُہ پُورے برصغیر پر پھیل جاتی۔

اس حقیقت کو جناب ڈاکٹر عاشق حُسین بٹالوی کی زبانی سُنیئے:۔

"متعدد وجُوہ سے یو۔پی کو ہندوستان کے تمام صُوبوں میں قلب کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اوّل اس لیئے کہ یہ علاقہ تین سو سال تک مُغل

---

[1] رسالہ مولوی دہلی شمارہ رجب ۱۳۶۶ھ/جون ۱۹۴۷ء ص ۲۲

حکومت کے جاہ وجلال کا مرکز رہ چکا ہے اور اس کے آثار یہاں کے چپے چپے پر موجود ہیں۔ دوم اس لئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملاپ سے ہندوستان کی صحیح تہذیب اور ہندوستان کے صحیح ادب نے اسی خطے میں فروغ پایا تھا۔ سوم اس لئے کہ یوپی کے مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود تہذیب وتمدن، علم وادب اور قومی وملی روایات میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی راہنمائی کرتے رہے تھے۔ چہارم اس لئے کہ یہ صوبہ نہرو خاندان کا وطن ہونے کی وجہ سے کانگرسی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ انہی وجوہ سے سارے ہندوستان کی نظریں یو۔ پی کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو معاملہ وہاں طے ہوگا اسی کا عکس پورے برِعظیم پر پڑے گا۔"[1]

علم وادب کے گہوارہ یوپی میں بریلی کو بعض دیگر وجوہ کی بنا پر ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے، بالخصوص بیسویں صدی کے ابتدائی ربع میں اس مرکزِ علم وعرفان نے مسلمانوں کی اس طرح راہنمائی فرمائی جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت کے ہیجانی ایام میں جب کہ اکثر وبیشتر علماء بھی جذبات کی رو میں بہہ کر دانستہ یا نادانستہ طور پر کانگرس کے زیرِ اثر آچکے تھے، سرزمین بریلی اسلامیانِ ہند کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی۔

---

[1] اقبال کے آخری دو سال، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ص ۴۴۴

اس پس منظر میں جمعیت علمائے ہند نے اپنا ایک اجلاس ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت وسط رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی کے مقام پر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے لئے غیر معمولی پروپیگنڈا کیا، اشتعال انگیز مضامین پر مشتمل پوسٹر شائع کئے اور بزعم خویش یہ فیصلہ کیا کہ اسلامی ملی امتیاز اور دو قومی نظریہ کے تحفظ و حمایت میں اٹھنے والی آواز کو اس کے مرکز ہی میں جا کر دبا دیا جائے۔ مگر باطل اپنی کر و فر کے باوجود ہمیشہ شکست کھاتا ہے، یہی حال اس غیر معمولی اجلاس کا ہوا۔ دو قومی نظریہ کے تحفظ و حمایت کرنے والے علماءِ اہل سنت کو فتح مبین نصیب ہوئی اور "متحدہ قومیت" کی کوششوں میں مصروف لیڈروں نے نہ صرف شکست فاش کھائی بلکہ برسر عام اہل سنت کے اکابر کے موقف کو تسلیم بھی کیا۔ بدقسمتی سے متحدہ قومیت کی کوشش کرنے والے حضرات پھر بھی اپنی ناپاک کوششوں سے باز نہ آئے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، اس سے انکار ممکن نہیں۔

کچھ لوگ آج بھی اپنی کوششوں کا محور متحدہ قومیت کی تشکیل کو بنائے ہوئے ہیں اور متحدہ قومیت کے مبلغین اور داعین کی سابقہ کوششوں کو تحریکِ پاکستان کا حصہ بنا کر پیش کر رہے ہیں[1]۔ اس طرح درپردہ وہ نظریۂ پاکستان کی بنیاد کو منہدم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، ان سے باخبر رہنا

---

[1] ممتاز صحافی جناب زیڈ اے سلہری ایسی ہی کوششوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"یہ ہماری انتہائی بدنصیبی ہے کہ کچھ عرصہ سے قومی تاریخ کے مسخ ہونے کے مسلسل اسباب پیدا ہوتے جا رہے ہیں جن کا فوری سدباب نہ کیا گیا تو وہ مسلم قومیت جو انگریزوں اور ہندوؤں کے حملے سے بچ گئی، یہاں جانبر

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اور رکھنا' اور ان کی ناپاک کوششوں سے انہیں باز رکھنا ہر سچے مسلمان اور سچے پاکستانی کا فرض ہے۔ جس طرح پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت ضروری ہے' اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اس نظریہ کی حفاظت کی جائے جس کی بنا پر خداداد ملک معرض وجود میں آیا ——— لیکن ہمارے مسلسل تغافل نے ہمیں بے شمار موقعوں پر زبردست زک پہنچائی، سقوط ڈھاکہ جیسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ ہو سکے ——"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹۔مارچ ۱۹۷۶ء ص ۳
بعنوان "کیا ہم تاریخ کو صحیح رنگ میں پیش کر رہے ہیں")

نوٹ: حکیم محمد حسین بدر چشتی (م ۱۹۸۶ء) سابق نائب صدر مجلس کارکنان تحریک پاکستان' بہاولپور نے اپنی تصنیف "منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے" میں تفصیل کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ تاریخ 'دو قومی نظریہ کو مسخ کیا جا رہا ہے' جو پاکستان کے باشعور اور محب وطن عوام کے لئے لمحۂ فکریہ ہے) حکیم صاحب موصوف نے وزارت تعلیمات پاکستان کے نام باین سلسلہ جو خط تحریر کیا' اس کا یہاں درج کرنا افادیت سے خالی نہ ہو گا' ملاحظہ فرمایئے مذکورہ خط سے ایک اقتباس ———

"اب پاکستان کے قیام کو کم و بیش ۴۰ سال گزرنے کو ہیں' لیکن ملک کی ابھی تک کوئی مستند تاریخ نہیں اور نہ ہی ۱۹۰۶ء سے ۱۹۴۷ء تک مسلم لیگ جس کی قیادت میں ملک عزیز حاصل کیا گیا تھا' کی کوئی تاریخ لکھی گئی۔ اس کے برعکس "جمعیت العلمائے ہند" کی تاریخ سرکاری خرچ پر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد نے دو جلدوں میں شائع کی ہے ...... وہ لوگ جو تحریک پاکستان کے صف اول کے دشمن تھے اُن کو قومی نصابی کتب میں تحریک کا ہیرو دکھایا گیا ہے ...... برصغیر (برعظیم) کی تاریخ آزادی اور حریت میں خاص مقاصد کیلئے تحریف کا افسوس ناک سلسلہ جاری ہے۔ تاریخ لکھی نہیں جا رہی بلکہ "گھڑی" جا رہی ہے ——— وہ تمام محسنین جنہوں نے ..... برصغیر (برعظیم) میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کی ...... وہ ہماری جنگ آزادی اور تحریک حریت کے روشن مینار ہیں ان کو تاریخ پاکستان میں لازمی شامل کرنا چاہیئے۔"

الم ناک حادثہ بھی اسی تغافل کا نتیجہ تھا۔ آج بھی بقیہ پاکستان کو متحد رکھنے اور اس
کے سیاسی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ نظریۂ پاکستان کو نئی نسل تک صحیح صورتحال
میں پیش کیا جائے[1] ۔ کانگریسی نظریئے کی تردید اور ماضی میں ہونے والی دو قومی

---

[1] تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے موضوع پر وطن عزیز میں بعض کتب ایک خاص نظریئے اور مقصد کے تحت شائع کی جارہی ہیں جن میں ایک منظم سازش اور منصوبہ کے تحت تحریک پاکستان کے دور کی تمام دینی جماعتوں کو بیک جنبش قلم گردن زدنی قرار دیا جارہا ہے۔ کانگریس کے حاشیہ برداروں اور نظریۂ پاکستان کے علمبرداروں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہوئے تاریخ کو بُری طرح مسخ کرنے کے ناقابل معافی جُرم کو "حال، مستقبل اور ماضی کی لائن درست کرنے کا نام دیا جارہا ہے۔" خدا جانے سائنس کی کس ایجاد کے ذریعہ ماضی جو واقعات پر مبنی ہوتا ہے کی لائن تبدیل کی جائے گی۔ دراصل یہ ایک عظیم فتنہ ہے جو اس لیے اُٹھایا جارہا ہے کہ نئی نسل گمراہ اور برگشتہ ہوکر اپنے ماضی سے قطع تعلق کرلے اور یہ مُلک جو اللہ اور رسول کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ایک اسیکولر اسٹیٹ بن کر رہ جائے۔

ذیل میں ہم ایک ایسے ہی بزرجمہر کی کتاب کے دو اقتباسات پیش کررہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ کس چابکدستی کے ساتھ قیام پاکستان کے مخالفین اور حامیوں کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرنے کی سعی کی گئی ہے اور کس طرح نوجوان نسل کو بہکا کر نظریۂ پاکستان سے بے راہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

> "تاریخ کے اس نازک موڑ پر جہاں اس وقت پاکستان کھڑا ہے، پاکستان کی سیاسی تاریخ کو منظرِ عام پر لایا جارہا ہے تاکہ نہ صرف ریکارڈ درست کیا جاسکے...... بلکہ تاریخ کے سنجیدہ طالب علموں، دانشوروں صحافیوں اور مخلص سیاسی کارکنوں کو عقیدہ پرستی سے نجات دلا کر اپنے ماضی، حال اور مستقبل کی لائن درست کرنے میں ان کی مدد کی جاسکے
> ____ پاکستان کیسے بنا؟ یہ سوال پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اوائل میں اتنا اہم نہیں تھا جتنا بعد میں اہم ہوتا چلا گیا۔
> "برصغیر (برِ عظیم) کے مسلمانوں کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ایک خطہ چاہیئے تھا؛ چنانچہ پاکستان دراصل اسلامی نظام کی تجربہ گاہ

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

نظریہ سے متعلق جملہ کوششوں کو صحیح پس منظر میں سمجھا اور سمجھایا جائے۔ لہ

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

کے طور پر حاصل کیا گیا ہے۔ یہ ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس کی نظریاتی سرحدیں ہیں جنہیں جغرافیائی سرحدوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔ اس تصور کو نظریۂ پاکستان کا نام دیا جاتا ہے۔

"برصغیر (برعظیم) کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین کوئی تضاد نہیں تھا، انگریزوں نے 'لڑاؤ اور حکومت کرو' کی پالیسی اختیار کر کے ان کے مابین صدیوں سے قائم بھائی چارے کو ختم کیا اور پھر سازش کے ذریعے ملک کو تقسیم کر کے چلے گئے تاکہ برطانوی سامراج کے مفادات پورے ہوتے رہیں۔ درحقیقت پاکستان انگریزوں کا حرامی بچہ ہے"۔ اس تصور کو نام نہاد ترقی پسندانہ نظریہ قرار دیا جاتا ہے۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں نظریات لغو اور باطل (متحارب) تصورات ہیں جن کا اُن حالات و واقعات سے دُور کا بھی تعلق نہیں جن کے نتیجے میں برصغیر (برعظیم) تقسیم ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔"

(زیدی جعفر "دیباچہ" پاکستان کیسے بنا؟ جلد ۱ از زاہد چودھری مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء۔ اشاعت دوم، ص ۱۱ اور ۱۳)

لہ اس لیئے کہ کانگریس کے مؤیدین اور تمام غیر مؤیدین میں خطِ امتیاز و فاصل کو مٹانے کی آج سعی کی جا رہی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار و خلفشار پھیلانے، مسلمانانِ برعظیم کے مشترکہ کاز اور نصب العین (پاکستان کے قیام) سے بے وفائی کرنے والے بعض ہندو نواز علماء (جن کی تفصیل کچھ پیشِ نظر کتاب کے حصۂ دوم میں آئے گی) کو بھی "بڑے مسلمان" قرار دیا جا رہا ہے اور ان کی ترجمانی اور وکالت کرنے کے ساتھ ساتھ "متحدہ ہندی قومیت" اور دو قومی نظریہ (جس کے اوّلین داعی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جنہوں نے روئے زمین پر بسنے والوں کو دو حصوں اور دو ملتوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک ملتِ اسلام

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

اور دُوسری مِلّتِ کُفر) کو یُوں گڈ مڈ کیا جارہا ہے کہ ——

"اکابر دیوبند کا ایک وقیع گروہ کانگریس کے ساتھ اتحاد و اشتراک کو مُلک و مِلّت کے لئے مُفید خیال کرتا تھا تو دُوسرا وقیع گروہ مُسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور کانگریس سے عدمِ اِشتراک و اتحاد کا مؤید تھا۔ پہلے گروہ کے قائد حضرت مولانا سید حُسین احمد مدنیؒ (م۔ ۱۹۵۷ء) اور دُوسرے کے حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م۔ ۱۹۴۳ء) تھے اور دونوں گروہوں کا یہ اختلاف مبنی بر دیانت تھا اور ہر ایک کے پاس اپنے مؤقف کے لئے دلائل تھے"۔ ("تحریکِ پاکستان اور عُلمائے دیوبند" پیشِ لفظ۔ ص ۳۵-۳۶ "بیس (۲۰) بڑے مسلمان" پیش لفظ۔ ص ۱۲۶ : خالد محمود، مولوی)

مزید براں مُتحدہ ہندوستانی قومیت کے کانگرسی نظریہ کے دفاع میں کیے جانے والی تاویلوں کی جھلک اِن اقتباسات میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے، لیکن —— ع : کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

"دوستوں کو غلطی نہ ہو، اوّل تو (کانگرسی ہونا) یہ ایک سیاسی نظریہ تھا جس کا مذہب یا اعتقاد سے کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں —— سب عُلماء دیوبند نے مُتفقہ طور پر ہرگز ہرگز اِس نظریہ (مُتحدہ قومیت) کو قبول نہیں کیا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ..... نے ڈٹ کر آخر دم تک کانگرس کی مخالفت اور مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا"۔ (لُطفُ اللہ، قاری۔ "عشقِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اور عُلمائے حق" مطبوعہ لاہور س۔ ن، ص ۶-۷ زیرِ عنوان "کانگریسیت کا آخری حربہ")

"بات یہ ہے کہ دُنیا میں عام طور پر کسی چیز کے منفی پہلو کو دیکھا جاتا ہے۔ مُثبت پہلو سے شاذونادر ہی کوئی بحث کرتا ہے" —— "ہمارا اصُول یہ ہے کہ دونوں حضراتِ اکابر (مدنی و عثمانی) ہمارے اپنے تھے اور قدرت نے دونوں کو خاص خطّوں کی قیادت کے لیئے چُن لیا۔ ایک کو پاکستان کیسے لیئے

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

ضروری ہے۔ یہ اہم اجلاس اُس وقت "مناظرہ بریلی" کے نام سے موسوم ہوا۔ مناظرہ بریلی نہ صرف مذہبی تاریخ کا ایک واقعہ ہے بلکہ اسلامی ملی تشخص کے امتیاز اور تحفظ اور دو قومی نظریہ کی نظریاتی جنگ کا ایک اہم باب ہے۔" ضرورت اس کی ہے کہ اس مواد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے جب تک ہم اپنے ماضی سے اور اپنے اسلاف و اکابر کے کارناموں سے واقف نہ ہوں نہ ہمارے اندر جذبۂ عمل پیدا ہو سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور دوسرے کو ہندوستان کے لیے۔ اگر علامہ شبیر احمد عثمانی نظریۂ پاکستان کے حامی نہ ہوتے تو پاکستان میں علماءِ دیوبند کو منہ دکھانے کو جگہ نہ ہوتی اور اسی طرح اگر مولانا حسین احمد مدنی متحدہ ہندوستان کے نظریئے کے مؤید نہ ہوتے تو ہندوستان کے مسلمانوں کی اس نازک دور میں حمایت نہ کر سکتے۔" (شیر کوٹی، پروفیسر انوار الحسن "ایک تاریخی جائزہ" مشمولہ "تحریکِ پاکستان اور علمائے دیوبند" مرتبہ محمد اکبر شاہ بخاری، حافظ۔ مطبوعہ کراچی، ص ۲۶ اور ۲۷)

مذکورہ بالا طرزِ عمل جہاں غیر مؤرخانہ ہے وہاں نہایت خطرناک بھی ہے کیونکہ "متحدہ قومیت" کے علم بردار علماء کے کردار کو "محسنِ اسلام" بنا کر پیش کرنا نئی نسل کے دل میں ان کی محبت قائم کر کے بالواسطہ طور پر "متحدہ قومیت" کے تصور کو پھیلانے کے مترادف ہے۔" اس نازک دور میں جب کہ قوم کا سیاسی شعور پختہ نہیں۔" اس لیے ذرا زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ـــــ اور ویسے بھی حقیقت حال مسطور بالا کے برعکس ہے کہ خود "ان دونوں دیوبندی علماء میں بعد المشرقین ہے۔ ایک نظریۂ پاکستان کو حقِ مطلق سمجھتا ہے اور دوسرا گم راہی۔" اور "تذکرہ خطیب الامت" میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ "مولانا احتشام الحق تھانوی تو دو قومی نظریۂ پاکستان کی ادنیٰ سی مخالفت کو بھی کفر کے مترادف سمجھتے تھے۔" (دیکھیے تھانوی احترام الحق "تذکرہ خطیب الامت" ص ۲۶۲ بحوالہ "تحریکِ پاکستان اور علمائے دیوبند" مؤلفہ اکبر شاہ بخاری، حافظ محمد: مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۸۶ء۔ ص ۸۷) ـــ لیکن ہر دو پیش لفظ کے "عالم و فاضل" اور "منفرد جائزہ نگار" کو بمصداق ؎

معشوق ما بہ شیوۂ ہر کس برابر است
باما شراب خورد و با زاہد نماز کرد

متذکرہ ہر دو گروہ کی مدح سرائی پر اصرار اور ناز ہے۔ (قادری)

نہ جوشِ کردار۔ آگے بڑھنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ پیچھے مُڑ کر بھی دیکھ لیں[1] ۔۔۔ "پاک و ہند کے مُسلمانوں کی تاریخ میں ایک نمایاں امتیاز یہ پایا جاتا ہے کہ اِن کی سیاسی تحریکات میں اثر اَور قوت کا سَرچشمہ، ان کے دین اَور عقیدے میں مُضمر رہا ہے۔ گو دیگر عالمِ اسلام کی سیاسی تاریخ کا مزاج بھی اس سے مختلف نہیں۔ تاہم ملّتِ اسلامیہ ہند کے مسئلے میں مذکورہ محّرک کو بے حد اہم شُمار کرنا پڑتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کے آخری سالوں میں قائدِ اعظم محمّد علی جناح نے تحریک کو اسی مزاج کا حامِل بنایا[2]۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مُسلم لیگ، کمرے کی سیاست سے نکل کر

---

[1] علی برادران از سیّد رئیس احمد جعفری مطبوعہ محمّد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۱

[2] "اِس وقت بازار میں اِس موضوع پر جتنی کتابیں دستیاب ہیں اُن میں زیادہ تر کتابوں کے مُصنفین ذہنی اَور عملی طور پر ایسی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہیں جنہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی اَور اب تک ذہنی طور پر تقسیمِ ہند کو قبُول نہیں کیا۔ اِس لیئے اُن کی لکھی ہُوئی کتابیں پڑھ کر قیامِ پاکستان کا مقصد ذہنوں میں اُجاگر نہیں ہوتا۔" (محمّد اسلم، پروفیسر۔ "تحریکِ پاکستان" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۱۱ زیرِ عنوان "گزارشِ احوالِ واقعی")

[3] لیکن آج یہ کہنا کہ ۔۔۔ "کوئی مانے یا نہ مانے حقیقت یہ ہے کہ جناح مُسلمانوں کا سب سے پہلا "سیکولر" لیڈر تھا۔" (عاشق حسین بٹالوی۔ "ہماری قومی جدوجہد" طبع لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۶۳) اور آج یہ کہنا کہ ۔۔۔ "جناح کے نزدیک حُصولِ پاکستان کی جدوجہد کسی حکومتِ الٰہی یا دینی مذہبی حکومت کے قیام کے لیئے نہیں تھی اَور نہ ہی اس میں مُلّاؤں کے اقتدار کی کوئی گنجائش تھی۔" (زاہد چودھری۔ "پاکستان کیسے بنا؟" جلد ۱، تکمیل و ترتیب: حسن جعفر زیدی، اشاعت لاہور ۱۹۹۳ء۔ ص ۳۰۲) اَور آج یہ دعویٰ کرنا کہ ۔۔۔ "وہ (جناح) پاکستان میں سیکولر نظام رائج کرنا چاہتے تھے۔" (سیرتِ قائدِ اعظمؒ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص ۹) ۔۔۔ "تو پھر بتایئے وہ کون سی طاقت تھی جناح میں، وہ کون سی مقناطیسیت تھی جو ہر اُس چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی جو اس کے قریب آجاتی تھی ...... جس نے ہندو اکثریت کے کُفر گڑھ میں طوق و سلاسل کے انبار تلے دبے آٹھ کروڑ غلام مُسلمانوں کو اپنی سیاست کے سحر سے آزاد کرایا اَور ان کے لیئے اپنا ایک ایسا وطن بنایا جس کی بُنیاد لا اِلٰہ الا اللہ پر رکھی گئی ہے۔" (آغا اشرف۔ "پاکستان کا اسلامی پس منظر" طبع لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۹۴)

پورے پاک و ہند کے مسلم عوام کی سیاست ملی کا مرکز و محور بن گئی اور ملت کے سواد اعظم کی دینی و اعتقادی راہنمائی کرنے والے علماء و مشائخ مسلم لیگ کے نقیب[1] اور تحریک پاکستان کے سرگرم مبلغ[2] بن گئے ——— تحریک پاکستان اور مسلم قومیت

[1-2] "ہندوستان کے اُن صوبجات میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے خصوصاً اور دوسرے مقامات میں عموماً اسلامی حکومت کا قیام اور قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کی حکومت کا عزم و مطالبہ یقیناً ایک ایسا مطالبہ ہے جس کی دعوت حضرات علماء و مشائخ کرام صدیوں سے دیتے چلے آئے ہیں۔ اُن کا مقصد حیات ہی ہمیشہ یہ رہا کہ مسلمانوں میں اسلامی احکام کی ترویج ہو اور وہ ایک ایسی آزاد اسلامی حکومت قائم کرسکیں جو اغیار و اجانب کی مداخلت و غلامی سے پاک و صاف ہو۔ اس خصوص میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اس طرف چند برس سے جو مساعی اسلامی حکومت یعنی پاکستان کے حصول کے لیئے جاری کر رکھی ہیں انہیں حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس سے لے کر ہندوستان کے ہزاروں مشائخین و علمائے اہلسنت کی عملی تائید حاصل ہے اور سُنّی کانفرنس کے اکابر علماء و مشائخین پوری قوت کے ساتھ پاکستان کی حمایت کر رہے ہیں اور اسلامی حیثیت سے کفار و مشرکین کے اندر مدغم ہو جانے کو کسی طرح بھی روا نہیں رکھتے۔ کانگریس جماعت یقیناً مسلمانان ہند کے وجود ہی کو جداگانہ حیثیت سے تسلیم نہیں کرتی .... احرار و خاکسار، مسلم لورڈ نیشنلسٹ مسلمانوں کی جماعتیں دراصل کانگریس کی بنائی ہوئی جماعتیں ہیں جو مسلمانان ہند کی سر بلندی کو مشرکین کے اشارہ سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تمام صوبوں کے مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ایسے نازک موقع پر صرف مسلم لیگ کی حمایت کر کے اس کے امیدواروں کو رائے دیں۔ (حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحامد صاحب قادری پروپیگنڈہ سیکرٹری آل انڈیا سُنّی کانفرنس .... (حضرت مولانا شاہ) عارف اللہ میرٹھی رکن آل انڈیا سُنّی کانفرنس و خطیب خیر المساجد.... (حضرت مولانا مفتی) عبدالحفیظ مفتی آگرہ رکن آل انڈیا سُنّی کانفرنس، (حضرت مولانا مفتی) عزیز احمد صاحب قادری مفتی اعظم گڈھی شاہو لاہور ....." (اخبار دبدبۂ سکندری رامپور مطبوعہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء، ص ۶ بعنوان "حضرات علمائے اہلسنت اور مشائخین کرام کا پیام مسلمانوں کے نام۔ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت اشد ضروری ہے")

کے نظریئے کی حمایت واشاعت کے سلسلے میں ان دینی راہنماؤں کی مساعی ہماری تاریخ ملی کا ایک ناگزیر حصہ ہیں[1] - یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک اس گوشۂ موضوع

---

[1] تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور پوری قوم کو نظریۂ پاکستان کا حامی بنانے کے سلسلے میں جملہ مشائخ وعلمائے احناف کے دل میں جو تڑپ تھی وہ ان خطوط سے بھی عیاں ہے جو ان دینی سیاسی راہنماؤں نے مختلف زعماء کو تحریر فرمائے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ اور تلمیذ رشید حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ جو جیّد عالم دین روحانی پیشوا اور بے مثال خطیب تھے اپنے ایک تاریخی مراسلہ بنام پیر مانکی شریف (اپریل ۱۹۴۶ء میں) لکھتے ہیں :-

"پاکستان کانفرنس" پشاور کا دعوت نامہ دفتر آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں اس وقت تشریف لایا ..... حضرت کے علم میں آچکا ہوگا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس بنارس میں ۲۷ تا ۳۰۔ اپریل ہوگا جس کا دعوت نامہ حاضر کیا جا چکا ہے اور آپ کی کانفرنس (پاکستان کانفرنس منعقدہ ۲۱۔ اپریل ۱۹۴۶ء) حضرت امیر ملت (پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری) صدر آل انڈیا سنی کانفرنس کی صدارت میں ہو رہی ہے۔ حضرت کی صدارت میں تمام سنی کانفرنس کی نمائندگی کرے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مقاصد میں روشن اور جلد کامیابی نصیب فرمائے۔ جس مرض کا ازالہ منظور خاطر ہے اس کے لیئے پاکستان کانفرنس ..... آپ کی تشریف آوری پر یہاں (بنارس میں) جب کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء اور مشائخ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کا متفقہ فیصلہ آپ اپنے صوبہ کے لیئے اور تمام اسلامی صوبوں کے لیئے حاصل کریں گے تو یہ خبر ایشیا اور یورپ میں یکساں طور پر مقصد کی اہمیت کو نمایاں کر دے گی ....."

مذکورہ بالا خط جس میں بنارس کانفرنس کا ذکر کیا گیا ہے اس کانفرنس میں حضرت محدث کچھوچھوی نے نہایت طویل اور مدلل خطبہ دیا جو خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ کے نام سے طبع ہوا جس کے صفحات ۳۶ ہیں۔ اس مبارک خطبہ کا ایک ایک حرف آپ کی بالغ نظری اور

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

مقصد سے عشق کا ترجمان ہے۔ تحریکِ پاکستان پر کام کرنے والوں کے لیئے ان حضرات کے خطبات کا مطالعہ لازمی ہے۔ ذیل میں اس خطبہ سے بعض اقتباسات درج کیئے جاتے ہیں تاکہ آج موجودہ نسل (جس نے اِس سرزمین پر "ہندو مسلم اتحاد" کے گمراہ کن اور دلفریب نعرے اور پھر "پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ" کے باطل شکن نعرے لگتے ہوئے اپنے کانوں سے نہیں سنے) بھی اپنے اذہان میں نظریۂ پاکستان کی صحیح واضح اور روشن تصویر بنانے کے ساتھ ساتھ اُن باعزم و باہمت نفوسِ قدسیہ اور محبین قوم و ملت کے اسماءِ گرامی سے آگاہ ہو سکے جن کی مساعی کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔" اور ہندو کانگریس کی بے پناہ زر پاشیوں اور غدارانِ ملک و ملت کی انتہائی غداریوں کے علی الرغم پاکستان کے مطالبہ کو عالمِ سیاست کے میدان میں ایسی شاندار کامیابی نصیب ہوئی جو تاریخ سیاست میں بے مثال ہے۔" (دیکھیئے۔ عبدالمصطفٰے ازہری علامہ: مضمون "علمائے اہلسنت اور سیاستِ ہند کے تین دور" ۱۸۵۷ء، تحریکِ خلافت اور مطالبۂ پاکستان بحوالہ اخبار دبدبۂ سکندری رام پور ۱۷ جون ۱۹۴۷ء) اب اس تاریخی خطبہ (خطبۂ جمہوریۂ اسلامیہ) کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"حضرات! دنیا میں ایک ذہنی انقلاب ہے اور قوموں کے کان ایسے پیغام کی تلاش میں ہیں جو انسانیت کو انسانی شرف بخشے۔ زمین کو گہوارۂ امن و امان بنا دے"۔

"حضرات وقت آگیا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے عہد کو پلٹایا جائے اور سلسلے نظامِ شریعت کو اسلامی دنیا کا نصب العین بنا دیا جائے"۔

"آل انڈیا سنّی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہیئے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے"۔

"سنّی کیسا پاکستان بنائیں گے، اِس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔ عہدِ صدیقی کو دیکھ لیا جائے، دورِ فاروقی کی سیر کر لی جائے۔ عثمانی زمانہ کو نظر کے سامنے لایا جائے خلافتِ علویہ کا دیدار کر لیا جائے۔ اِسی قسم کا پاکستان بنائیں گے"۔

"لیگ (مسلم لیگ) اُن کے لیئے کوئی نیا دین نہیں ہے جس کو سمجھ کر ٹھونک بجا کر قبول کیا جائے بلکہ لیگ (آل انڈیا مسلم لیگ) اُن کے جذبات کی محض

پر پورے طریقے سے مربوط اور جامع کام نہیں کیا جا سکا[1] ۔۔۔۔۔۔ "یہ ہماری بدقسمتی ہے یا بے حسی (رہی ہے) کہ تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے کتنے ہی ایسے گوشے ہیں جن پر کسی نے قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یوں اِس عظیم جدوجہد کے خدوخال پوری طرح واضح نہیں ہو سکے جو ہمارا بے بہا ورثہ ہے اور جس کے طفیل ہمیں پاکستان نصیب ہوا"[2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ترجمان ہے"

"وہ صرف اتنا سمجھ کر کہ قرآنی حکومت، اسلامی اقتدار لیگ کا (مسلم لیگ کا) مقصد ہے، اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اور ان کو چھوڑ کر لیگ (مسلم لیگ) باقی ہی نہیں رہتی"

"سارے ملک کو تجربہ ہو چکا کہ آوارہ تعلیم گاہوں کے طلبہ نے قبلہ کی طرف سے کس طرح منہ پھیر کر اپنی توجہات تعبد کو راشٹر باپو کی طرف پھیر لیا۔ مدرسین نے مکہ چھوڑا...... صدر المدرسین نے مدینہ چھوڑا اور بالکل چھوڑا اور دشمنانِ حرمین سے رشتہ جوڑا۔ اب قرآن شریف اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ رہے۔ حدیث شریف میں ان کو یہی نظر آتا ہے کہ غیروں کے ہاتھ بکنا ہی اسلام ہے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔ ایسی غیر ذمہ دارانہ تعلیم سے جہالت ہزار درجہ بہتر ہے، کیسی ناپاک تعلیم ہے جو پاکستان کے تصور سے لرز اٹھے اور پاکستان میں جس کو اپنی زندگی محال نظر آئے، اسلامی تلوار کی آزادی میں اپنی موت معلوم ہو"

"دنیا کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جس طبقہ نے عالمگیر و جہانگیر کی تلواروں پر حکومت کی، عباسیوں کی جلالت پر اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا یعنی علماءِ حق، وہ نہ کسی مغرور کے دبائے دبتے ہیں نہ کسی شکی وہمی سے الجھتے ہیں نہ کسی بدزبان بے لگام کو پرکاہ برابر سمجھتے ہیں وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے ہیں حق گو ہیں حق پرست ہیں اور صرف حق کا اقتدار چاہتے ہیں"۔

[1] تحریکِ پاکستان اور علمائے اہلِ سنت از قاضی عبدالنبی کوکب مطبوعہ خانیوال ۱۹۷۹ء ص ۲

[2] ماہنامہ ستارہ ڈائجسٹ لاہور جولائی ۱۹۷۶ء ص ۱۲۵

مذہب اور سیاست!

یہ سیاست اور اقتدار اور آئینی دستور کی بحثیں تو بڑی وقت طلب ہیں۔ علماء حضرات اتنا تو سمجھیں کہ انگریز دشمنی کے جذبے میں اگر ہم نے وہی راستہ اختیار کر لیا جس پر کانگرس چل رہی ہے تو یہ راستہ مغرب کی لادینی اور لا اخلاقی سیاست کا تو ہوگا کتاب و سنت کا نہیں ہوگا۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ مسلمان جب کبھی اپنے تصورات سیاست اور ملی نصب العین یا جداگانہ قومی وجود کے تحفظ کی بحث چھیڑیں تو اسے انگریزی اقتدار کی حمایت یا مفاد پرستی پر محمول کیا جائے۔ زور دیا جائے تو محض انگریز دشمنی پر انگریز دشمنی کوئی مثبت اصول سیاست نہیں ہے۔

مسلمان بڑے سادہ ہیں اس قسم کی تعبیریں قبول کر لیتے ہیں ۔۔۔ کیا مسلمان سیاست کو مذہب سے الگ رکھیں اپنے لیے جداگانہ قومیت کا مطالبہ نہ کریں اس گروہ بندی میں شامل ہو جائیں جس کی بنا اشتراکِ وطن پر ہے اور یہ سب قطع نظر اس تصور کے جسے ہندوستانی قومیت کے نام سے اچھالا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ ادیان اصلاً سب ایک ہیں ۔۔۔ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ کہ ادیان سب ایک ہیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دین فی الحقیقت کوئی اصول اجتماع نہیں بلکہ ایک اخلاقی نصب العین (اقبالؒ کے حضور جلد اول)

روزنامہ نوائے وقت لاہور راولپنڈی

جمعرات، ۹ جون ۱۹۷۷ء

عُلمائے اہلِ سُنّتؒ

بنام

ابُوالکلام آزاد

اہلِ حق قیامت تک قائم رہیں گے

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ قَائِمَةً بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ ۝

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: میری اُمّت میں سے ایک گروہ دینِ الٰہی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گا، اُس کی رُسوائی کرنے والے اور اُس کی مخالفت کرنے والے اس کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ وُہ قیامت قائم ہونے تک راہِ حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گا۔

تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانہ میں غیر محتاط خلافتی لیڈروں کی غیر اسلامی حرکات حد سے بڑھ گئیں، طوفان و ہیجان کے اس دور میں "ہندو مسلم اتحاد" اور "متحدہ قومیت" کے نعرے بلند ہوئے، اسلامی شعار کی پامالی روزمرہ کا معمول بن گیا، قرآن و سنت کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر "گاندھی کے احکام"، "واجب الاحترام" ٹھہرائے گئے۔ الہلال اور البلاغ کی ادارت کے زمانہ کا ابوالکلام آزاد اب گاندھی کی منشا و رضا کے مطابق قرآن و حدیث کی تفسیر کر رہا تھا، دورِ الہلال کے خیالات و نظریات کو یکسر فراموش کر کے "ساحرِ واردھا" کے طلسم و افسوں کا شکار ہو کر ہندوستان کے دوسرے مسلم اکابر اور قائدین کو متاثر اور گاندھی کی تحریک کی تائید و حمایت کے لیے آمادہ و تیار کر رہا تھا۔

ع آبِ کوثر سے جو چلا لبِ گنگا پہنچا

تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے حامی اکثر اکابر نے گاندھی کے نظریات کو اپنایا بلکہ اپنے مذہب کا حصہ بنایا۔ قرآن و حدیث کے احکام کو اس کے نظریات کا مؤید ثابت کرنے کے لیئے کانگرسی علماء نے اپنے علم و فضل کا سہارا لیا۔ فصاحت و بلاغت کی تمام قوتیں، زبان و بیان کے تمام انداز اور اثر و رسوخ کے تمام حربے استعمال کیئے۔ قرآنی آیات کی یوں تفسیر کی کہ نعوذ باللہ قرآن اور گیتا دونوں ہم پلّہ بنا دیئے۔ اس صورتِ حال نے علماء و مشائخ اہلِ سنت کو تڑپا دیا۔ علامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کتنے درد سے فرمایا۔

احکام ترے حق ہیں، مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

ابوالکلام[1] آزاد ادیب و صحافی ہونے کے ساتھ مفسّرِ قرآن بھی تھے لیکن کانگریس پر ایسے عاشق ہُوئے کہ ان کی تفسیر بھی "گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ" ہو کر رہ گئی، بقول اکبر مرحوم ؎

یہ کانگریسی مُلّائیں تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں

عُلَمائے اہلِ سُنّت نے ہر موقع پر اسلامیانِ ہند کی راہنمائی کا حق ادا کیا ہے۔ گاندھی کی "قیادت و امامت[2]" پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح سے سمجھایا، خُدا کا خوف دلایا، اسلامی غیرت کا واسطہ دیا، تحریر و تقریر سے افہام و تفہیم کے تمام طریقے استعمال کئے مگر سحرِ گاندھی سے فسوں زدہ لیڈر حضرات اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ افہام و تفہیم، تحقیقِ حق اور رفعِ شکوک و شبہات کی بے شمار کوششیں ہُوئیں۔

---

[1] اُبوالکلام کے والد مولانا خیرالدین راسخ الاعتقاد سُنّی عالم تھے، فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہ کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اپنے والد کے برعکس ابُوالکلام پس رو گاندھی بن کر اپنے والد کے عقائد کو بھی غلط قرار دے چکے تھے۔ ابُوالکلام آزاد کے خصوصی مُعتمد اور رفیق کار جناب ملیح آبادی ابُوالکلام کے تعارف میں لکھتے ہیں :

"— وہ ابُوالکلام آزاد جو اپنے والد کے مسلک کو بھی برملا غلط قرار دے چکے تھے"

ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ مارچ ۱۹۶۱ء، ص ۱۵

[2] ایک کانگرسی عالم نے ایمان کی جزئیات پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا،

"گاندھی کی امامت پر ایمان کامیابی کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔"

— کانگریس اور مسلم لیگ —، ص ۲

اسی نوعیت کا ایک واقعہ وسط رجب المرجب ۱۳۳۹ھ/مارچ ۱۹۲۱ء کو پیش آیا۔ جمعیۃ العلماءِ ہند کا سالانہ اجلاس ابو الکلام آزاد کی صدارت میں بریلی میں منعقد ہونا قرار پایا۔ جمعیۃ العلماءِ ہند کی طرف سے متعدد اشتہار شائع کیے گئے جن میں واضح طور پہ کہا گیا کہ ہم مخالفین پر اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں۔ ایک اشتہار جس کا عنوان

"زندگی مستعار کی چند ساعتیں"

تھا، اس میں اور باتوں کے علاوہ ایک شق یہ بھی تھی:

"مخالفین[1] ترکِ موالات اور موالات نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمام حجت کیا جائے گا۔"[2]

دوسرا اشتہار، جس کا عنوان ———

---

[1] مخالفین سے مراد وہ علماء و اکابر ہیں جنہوں نے اس ہیجانی اور طوفانی دور میں بھی قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق سلطنت اسلامیہ عثمانیہ کی بحالی میں کوشش کی مگر اسلامی ملی تشخص کو محفوظ رکھا، وہ نہ تو ہندو قومیت کا جزو بنے اور نہ انگریزوں کے وفادار۔ اسلامی تشخص کا تحفظ کرنے والے یہ علماء سیاسی بصیرت سے بھی بہرہ ور تھے، بعد کے حالات نے ان کے مؤقف کی تصدیق کر دی۔ کانگریس اور اس کے پروگرام کے مطابق کام کرنے والی دیگر جماعتوں مثلاً جمعیۃ العلماءِ ہند، احرار، جمعیت اہل حدیث اور مومن کانفرنس وغیرہ نے ان کی سخت مخالفت کی۔ انہیں انگریز کا پٹھو، مسلمانوں سے غداری کرنے والا، منکر، منافق اور تحریکِ آزادی ہند کی راہ میں سنگ گراں وغیرہ کے طعنے سننے پڑے مگر یہ لوگ اپنے مؤقف سے ذرا برابر نہ ہٹے۔ روشنی کے ان مینا روں میں امام احمد رضا فاضل بریلوی، آپ کے صاحبزادگان، خلفاء، تلامذہ، علماء و مشائخ مثلاً سید پیر مہر علی شاہ، پیر جماعت علی شاہ، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی ——— اور دیگر اکابر مثلاً قائد اعظم اور علامہ اقبال کے اسماء سرفہرست ہیں۔

[2] دوامغ الحمید مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ، ص ۴۷

"آفتاب صداقت کا طلوع"

تھا، اس میں لکھا گیا:

"منکرین و منافقین پر اتمام حجت، مسائل حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لیئے بریلی میں جمعیت العلماءِ (ہند) کا اجلاس ہونے والا ہے۔ سچائی ظاہر ہو گئی اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ خداوند جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔"[1]

یہ اشتہارات رمز و کنایہ سے گزر کر صریح مناظرے کی دعوت دے رہے تھے، اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جمعیت علماءِ ہند کے اکابر اہلِ سنت و جماعت کے علماء کا موقف سمجھنے اور حق و باطل میں تمیز کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ ان کا مقصد صرف مجادلہ و مکابرہ ہے۔ علماءِ اہلِ سنت نے اس نازک موقع کو بھی غنیمت سمجھا اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کر کے اختلافات کو دور کرنے کی کوشش تیز کر دی تا کہ عوام الناس

---

[1] دوامغ الحمیر مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ، ص ۷۴

نوٹ: متحدہ قومیت کے مضمرات سے آگاہ کرنے، اور اسلامی ملی تشخص کے امتیاز اور تحفظ کے سلسلہ میں سنی علماء کی کوششیں تاریخ کا ایک قابلِ قدر باب ہے۔ ان حضرات کی دینی و سیاسی بصیرت کی ایک جھلک دوامغ الحمیر میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۲۱-۱۹۲۰ء میں کانگرسی علماء کے اقوال شنیعہ اور افعال سیئہ پران کو تنبیہ کرنے، اور راہِ راست پر لانے کے لیئے علماءِ اہلِ سنت کی مراسلت اور اعلان عام کے تمام اشتہارات کو اراکینِ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی نے جمع فرما کر تاریخ کے اس باب کو محفوظ کر لیا۔ دو قومی نظریہ پر کام کرنے والے مورخین کے لیئے مذکورہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جو ہمیں تاریخ پاکستان کے ایک گمنام کارکن الحاج میاں غلام مرتضیٰ (جنڈانوالہ، گجرات) نے استفادہ کے لیئے دی جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ (قادری)

کے لیئے ایک متفقہ فیصلہ صادر کیا جاسکے، مسائل حاضرہ میں ان کے لیئے عمل کی راہ متعین کی جائے، معاملات کو صاف کر لیا جائے اور مسلمانوں کو ان غلطیوں سے بچایا جائے جو غلط طرزِ فکر کا نتیجہ تھیں۔ "تعمیرِ فکر" کی کوششوں سے "تطہیرِ فکر" کی کوششیں بہر حال مقدم ہیں ؎

پس نخستیں بایدش تطہیرِ فکر
بعد ازاں آساں شود تعمیرِ فکر

(اقبال)

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کے جمعیت العلماء ہند کے سالانہ اجلاس کے لیئے بریلی کا انتخاب، اکابر جمعیت نے نہایت گہری سازش کے تحت کیا مگر معاملہ اُلٹ پڑا، فیصلہ ربانی عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ[1] اجلاس کے لیئے بریلی کا انتخاب ان کی سیاسی موت واقع ہوا، جمعیت العلماء ہند کا اب اپنا کوئی مستقل پروگرام نہ تھا بلکہ گاندھی کے "احکام" کو قرآنی سند کے حوالے سے اسلامیانِ ہند تک پہنچانا اور ان سے کانگریس کی تائید حاصل کرنا جمعیت العلماء ہند کے اغراض و مقاصد رہ گئے تھے۔

تحریکِ خلافت کے اکابر اپنے مطالبات کے حق میں اس قدر جوش میں تھے کہ انہیں اس وقت احساس تک نہ ہوا کہ ہم نے اپنی قیادت ایک غیر مسلم (گاندھی) کے ہاتھوں میں دے کر کس قدر سیاسی غلطی کی ہے۔ جمعیت علماء ہند کے اکابر اور خلافتی ارکان اس وقت "متحدہ قومیت" کے علمبردار بن چکے تھے۔ اس کے برعکس فاضل بریلوی اور ان کے زیر اثر علماء نے ان تحریکوں کو مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ قرار دیا، جمعیت علماء ہند کے ارکان نے یہ طے کر لیا تھا کہ "دو قومی نظریہ" کے حامی علماء کے مرکزی

---

[1] "قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔" (۲۱۶/۲)

شہر بریلی میں جا کر ایک جلسۂ عام میں ان کا ناطقہ بند کر دیں اور مناظرہ کر کے ان کو لاجواب کر دیا جائے، مگر مولا کریم کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جمعیت کے اکابر نے اپنے جلسۂ عام میں دو قومی نظریہ کے حامی علماء کے موقف کو تسلیم کر لیا، اور ہندوؤں میں اور عام اور اتحاد کو نقصان دہ ٹھہرایا مگر گاندھی کی محبت نے ان کو اس پر عمل پیرا ہونے نہ دیا۔ بریلی کے انتخاب نے یہ ثابت کر دیا جسے متحدہ قومیت کے علمبرداروں نے بھی بالواسطہ تسلیم کر لیا کہ دو قومی نظریہ کے پیش کرنے والے اکابر کا روحانی مرکز بریلی ہے۔[1]

---

۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ / ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء بروز دوشنبہ کو مولانا عبدالماجد

---

[1] دو قومی نظریہ کے اولین داعی حضرات میں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ فاضل بریلوی)، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالقدیر بدایونی اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں، ان سب کا تعلق اہل سنت سے تھا۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:-

(ا) فاضل بریلوی اور ترک موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد

(ب) تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم " " "

(ج) وہ صورتیں الٰہی از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

(د) علماء ان پالیٹکس (انگریزی) " ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

(ہ) پروفیسر مولوی حاکم علی رحمۃ اللہ از پروفیسر محمد صدیق

(و) ماہنامہ کنزالایمان لاہور (تحریک پاکستان نمبر) اگست ۱۹۹۵ء

(ز) خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۲۵ء — ۱۹۴۷ء از محمد جلال الدین قادری

بدایونی، ناظم جمعیت العلماء بریلی تشریف لائے۔ جمعیت العلماء ہند کے راہنماؤں اور خلافتی اکابر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ بھی چند روز میں بریلی آنے والے ہیں۔

علماء اہل سنت اگر چاہتے تو اپنے سوالات، اور جمعیت اور خلافت کمیٹی کی غیر اسلامی حرکات پر اعتراضات کو ملتوی رکھتے، جب وہ آئیں تو اچانک ان پر سوالات کر کے ان کا قافیہ تنگ کر دیں مگر اکابر اہل سنت کو تو صرف تحقیق حق منظور تھی۔ اس لیئے اراکین جمعیت علماء ہند کی بریلی میں آمد سے قبل ہی مولانا محمد علی

---

(۱) عثمانی خاندان کے چشم و چراغ مولانا عبد الماجد بدایوں میں ۴ رشعبان المکرم ۱۳۰۴ھ/۲۸، اپریل ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا شاہ محب رسول عبد القادر بدایونی، مولانا شاہ عبد المجید قادری، مولانا مفتی محمد ابراہیم بدایونی اور مولانا شاہ محب احمد بدایونی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ طب حکیم غلام رضا خاں اور حکیم اجمل خاں دہلوی سے پڑھی۔ قیام دہلی کے دوران عیسائیوں، آریوں، غیر مقلدوں اور قادیانیوں سے آپ نے مناظرے کیئے۔ "حفظ الایمان" کی ایمان سوز عبارت پر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی مساعی سے ہونے والے تصفیہ کے مباحثہ میں آپ کی تقریر کامیابی رنگ تھا۔ فتنۂ ارتداد کے انسداد میں دیگر علماء کے ہمراہ کام کیا۔ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی مجلس خدام کعبہ میں شرکت کی۔ تحریک خلافت میں شامل ہو کر ملکی معاملات میں حصہ لیا، جمعیت العلماء ہند اور کانگریس کے لیئے بہت کام کیا مگر ہندوؤں کے عناد سے باخبر ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کر کے "جمعیت علماء کانپور" کی بنیاد رکھی۔ ۳۰ رشعبان ۱۳۵۰ھ/۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کو عمر بھر کی بے قراری سے قرار پایا۔ آپ کا مزار درگاہ قادری بدایوں میں مرجع خلائق ہے۔ جمیل احمد سوختہ نے قطعہ تاریخ کہا۔

ع "گل ہوا ہائے چراغ دین" آج

(تذکرہ علمائے اہلسنت از شاہ محمود احمد قادری، مطبوعہ کانپور (انڈیا) ۱۳۹۱ھ)

اعظمی، صدر شعبہ مقاصدِ علمیہ، جماعتِ[1] رضائے مصطفےٰ (علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا) بریلی نے افہام و تفہیم کی راہ ہموار کرنے کے لئے اسی روز (۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ) کو ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار بعنوان "اتمام حجت تامہ" ترتیب دے کر شائع فرمایا۔ اور ایک وفد کے ذریعے جمعیت علمائے ہند کے جلسہ سے تین روز قبل ہی جمعیت کے ناظم کے پاس پہنچایا۔ تاکہ سوالات کو سمجھ کر جوابات تیار رکھیں۔

وفد میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

۱۔ مولانا حسنین[2] رضا خاں قادری، ناظم شعبہ مقاصدِ علمیہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، رئیس وفد۔

---

[1] جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو قائم ہوئی، اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے:۔

(ا) پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا تحفظ۔

(ب) متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے فرقہ گاندھویہ کا تحریری و تقریری رد کرنا۔

(ج) آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کے تحریری اور تقریری جوابات دینا۔

(د) بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ رکھنا۔

(ہ) فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ اور دیگر علماء اہلسنت کی تصنیفات کی اشاعت؛

تقسیم کار کے لحاظ سے جماعت مختلف شعبوں میں منقسم تھی۔ فتنۂ ارتداد کے انسداد، غیر اسلامی نظریہ "متحدہ قومیت" کے ہیجانی دور میں اسلامی تشخص کے امتیاز و تحفظ اور عوام اہلسنت میں راسخ الاعتقادی پیدا کرنے میں جماعت رضائے مصطفےٰ نے مثالی اور مؤثر کام کیا۔

[2] مولانا محمد حسنین رضا (امام احمد رضا کے برادر اصغر شاہ محمد حسن رضا خان متوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء کے صاحبزادے ہیں) کی ولادت ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ دار العلوم منظر اسلام، بریلی سے تعلیم حاصل کی معقولات

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

۲. مولانا محمد ہدایت اللہ خاں رضوی، صدر شعبہ مقاصد انتظامیہ جماعت رضائے مصطفیٰ۔

۳. جناب سید ضمیر الحسن جیلانی قادری، ناظم شعبہ مقاصد انتظامیہ جماعت رضائے مصطفیٰ۔

۴. ماسٹر عظیم الدین رضوی، بی اے، رکن جماعت رضائے مصطفیٰ

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

کی کچھ کتابیں رامپور کے مدرسۂ ارشاد العلوم میں مشہور و ممتاز علماء حضرت مولانا ظہور الحسن اور مولانا عبدالعزیز (یہ دونوں حضرات مولانا عبدالحق خیر آبادی کے شاگرد تھے) سے پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد حسنی پریس کے نام سے ایک مطبع قائم کیا اور فاضل بریلوی کے بہت سے رسائل اپنے خرچ سے شائع کیے۔ امام احمد رضا نے انہیں اجازت و خلافت سے بھی نوازا۔ آپ کی ایک صاحبزادی ان سے منسوب تھیں۔ مولانا حسنین رضا خاں نے خلافت کمیٹی، فتنہ وہابیت اور دیگر جنم لینے والے فتنوں کے سدباب کے لیے حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے ساتھ مل کر بھرپور کام کیا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ کی شاندار خدمات میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں دشت کربلا نظامِ شریعت، دنیائے اسلام کے اسباب زوال اور وصایا شریف شہرت دوام حاصل کر چکی ہیں۔ شعر و سخن سے بھی خاصا لگاؤ رہا، والد گرامی حضرت استاد زمن محمد حسن رضا خاں حسن (تلمیذ مرزا داغ دہلوی) کی طرح نعتیہ شاعری میں خاصا زور ہے۔ حضرت حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نعت کا مشہور شعر ہے:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعل پاک حضور ۔۔۔ تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

انہوں نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے

تیری نعل مقدس جس کے سر پہ سایہ گستر ہے ۔۔۔ وہی فرماں روائے ہفت کشور ہے سکندر ہے

مولانا حسنین رضا علیہ الرحمہ نے تقریباً ۹۱ برس کی زندگی پائی اور ۵۔ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، مرتبہ محمد صادق قصوری اور پروفیسر مجید اللہ قادری، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء۔ ص ۲۲۲ و بعدہٗ)

۵. جناب محمد محمود علی خاں رضوی، رئیس شہر کہنہ

۶. جناب سیٹھ محمد طاہر حاجی جمال صاحب قادری، رئیس گونڈل کاٹھیاوار

۷. جناب سید سلطان احمد صاحب [۱]

مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی [۲] کا مرتب کردہ اشتہار جو ستر سوالات پر مشتمل تھا،

---

[۱] دوامغ الحمیر، ص ۴۷ اور ۴۸

[۲] صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی بن مولانا حکیم جمال الدین ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ گھوسی میں ایک علمی گھرانے میں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ کرام میں مولانا خدا بخش، مولانا محمد صدیق استاذ الکل مولانا ہدایت اللہ جونپوری اور شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدست اسرارھم شامل ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کے مقبول نظر اور مورد الطاف خاص تھے منظر اسلام بریلی کی تدریس، مطبع اہل سنت کا انتظام اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے شعبہ علمیہ کی صدارت آپ سے متعلق تھی۔ امام احمد رضا نے جلد ہی تمام سلاسل طریقت میں خلافت سے نوازا۔ جملہ علوم میں تدریس میں ایسا امتیاز حاصل تھا کہ پورے بر عظیم میں چار پانچ منتخب مدرسین میں شمار ہوتے تھے۔ منظر اسلام بریلی کے علاوہ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر مقدس اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں (ضلع علی گڑھ) میں بھی صدر مدرس متعین رہے۔ حضرت کے حلقۂ درس میں ہندوستان سمرقند، ترکیہ، افریقہ اور ایران کے طلباء شریک ہوئے اور کامیاب و کامران لوٹے۔ تصانیف بہار شریعت، فتاویٰ امجدیہ، حاشیہ شرح معانی الآثار وغیرہ کمال علمی پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ اگرچہ دینی اور مذہبی قائد تھے مگر بوقت ضرورت سیاسی امور میں شرعی دلائل سے اسلامی موقف واضح کرتے۔ دو قومی نظریہ کے عظیم ترین مبلغ اور داعی تھے۔ "ہندو مسلم اتحاد" کے علمبرداروں اور "متحدہ قومیت" کے داعی لیڈروں کی غیر شرعی حرکات کا بروقت مؤاخذہ کرتے۔ ستر سوالات پر مشتمل ان کا مرتب کردہ اتمام حجت تامہ اس پر شاہد عادل ہے اور بقول ڈاکٹر محمد باقر مرحوم "اتمام حجت تامہ" ایک (ایسی) تاریخی اور قابل قدر دستاویز ہے جو عامۃ المسلمین کی ہمیشہ راہنمائی کرتی رہے گی"۔ "اتمام حجت تامہ" نے ابو الکلام آزاد اور دیگر کانگرسی علماء کو مناظرہ بریلی میں لاجواب کر دیا۔ اور حق تو یہ ہے کہ دو قومی نظریہ کے مخالفین آج بھی ان سوالات سے لاجواب ہیں۔ اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔ اس اشتہار کو جماعت رضائے مصطفےٰ نے شائع کیا تھا۔[1]

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں آل انڈیا سُنی کانفرنس میں (خیال رہے کہ قیام پاکستان کی جدّوجہد میں سُنی کانفرنس کو جو بُنیادی حیثیت حاصل ہے اور اس کانفرنس کے ہزار ہا عُلماء و مشائخ نے جس جس طرح قصبے قصبے، قریے قریے میں پاکستان کے حق میں رائے عامّہ کو بیدار کیا۔ افسوس یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے تذکرے لکھنے والوں نے اس کا نُمایاں طور پر ذکر نہیں کیا) شرکت فرما کر تحریک پاکستان کی ببانگِ دُہل حمایت فرمائی اور کانفرنس کی طرف سے جن کمیٹیوں میں نامزد ہُوئے، ان میں سے کمیٹی برائے اُصول پاکستان، مرکزی دارالافتاء، عائلی قوانین مُرتب کرنے والی کمیٹی، آل انڈیا سُنی کانفرنس کے لیے آئین ساز کمیٹی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

صدرُ الشریعہ مولانا محمد امجد علی نے ۲۔ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ / ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعیِ اجل کو اُس وقت لبیک کہا جب وُہ عازم حرمین شریفین ہو کر بمبئی روانہ ہو چکے تھے۔

آیت مبارکہ "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ" آپ کی تاریخ وصال ہے۔
۱۳۶۷ھ

جناب محمد شریف الحق امجدی نے مندرجہ ذیل استخراج کیا۔

عروج صدر الشریعہ الی الجنۃ بجدہٖ — ۱۳۶۷ھ

وقبض صدر الشریعۃ الی الجنۃ — ۱۹۴۸ء

(حاشیہ صفحہ ھٰذا)

[1] روداد مناظرہ مطبوعہ نادری پریس بریلی، اشاعت دوم، ص ۱۴

اتمام حجت تامّہ

جناب مولوی عبدالباری فرنگی محلی و عبدالماجد صاحب بدایونی و مسٹر ابوالکلام صاحب آزاد

الحمد للہ وکفی وسلم علی عبادہ الذین اصطفی والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

حفاظت اماکن مقدسہ وحمایت سلطنت اسلامیہ کا نام بہت دلکش ہے کس مسلمان کو بقدر قدرت اس کی فرضیت سے خلاف ہو سکتا ہے مگر شرع مطہر نام نہیں دیکھتی کام دیکھتی ہے۔ ہم غربائے[1] غریب اسلام قدیم کے فدائیوں کو ان کارروائیوں پر جو یہ اچھا نام دکھا کر کی جارہی ہیں شبہات ہیں، اگر وہ دفع ہو جائیں اور ثابت ہو کہ کارروائیاں قرآن عظیم وحدیث کریم واسلام قدیم وفقہ قویم کے موافق ہیں تو ہم کیوں ثواب سے محروم رہیں ورنہ آپ حضرات کیوں عذاب مول لیں اور عوام مسلمین کو اس میں مبتلا کریں۔

ادھر سے سوالات متعدد تحریروں میں بار بار معروض ہو چکے اور اب تک جواب نہ ملے بلکہ سوال علی السؤال کے نقاب کھلے۔ نیرنگ ہنگامہ آرائی بتقلید طرز نصرانی جس کا پیر نیچریہ یہاں موجد اور ندوہ پس رو ومقلد گمان دلاتا تھا کہ تحقیق حق سے کنارہ کشی وخاموشی میں بھی انہیں کی تقلید ہوگی مگر کمیٹی کے تازہ دو اشتہاروں نے بتایا کہ طالبان تحقیق کو موقع دیا جائے گا۔

---

[1] یہ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے اسلام کا آغاز غربت کے عالم میں ہوا اور عنقریب وہ غربت کی طرف لوٹ جائے گا، پس خوشخبری ہے غرباء کے لیے۔

لہٰذا ابتداءً یہ بعض سوالات بطلب کشف حالات معروض خدمات، اگر کشف میں ابہام رہا، اصلاحِ دین و تفہیم مسلمین کے لیئے پھر تکلیف فرمائی ہو گی یہاں تک کہ حق کا مالک حق واضح کرے۔

سچ سچ اسلامی گزارش ہے کہ مقصود ہار جیت نہیں بلکہ صرف اس قدر کہ جس فریق کا قدم حق سے جدا ہے، ہدایت پائے ورنہ کم از کم عام مسلمین تو دیکھ لیں کہ حق کس طرف تھا اور کس نے اس کے قبول سے اعراض کیا۔ جواب نمبر وار عطا ہوں، جس تشقیق سے شق اول مختار ہو، جواب میں صرف اس کا قبول بس ہے ورنہ دلیل بھی لازم۔ وحسبنا ربنا ونعم الوکیل،

۱. یہ کارروائیاں جو آپ حضرات کر رہے ہیں، دینی ہیں یا محض دنیوی
۲. مسلمانوں کی سیاست دین ہے یا جدا۔[۱]
۳. مشرکینِ ہند حربی ہیں یا ذمی۔[۲]
۴. سب مشرکین و کفار بلا استثناء دشمنان خدا و رسول ہیں یا نہیں۔
۵. برّ و موالات میں فرق ہے یا نہیں، ہے تو کیا۔
۶. ائمہ حنفیہ کے نزدیک آیہ[۳] لَا یَنْھٰکُمْ ذمیوں کے لیئے اور آیہ[۴] اِنَّمَا یَنْھٰکُمْ سب حربیوں کے لیئے ہے یا نہیں۔

---

[۱] ع "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"
[۲] ہندوستان کے مشرکین، حربی کفار ہیں ان سے وداد و اتحاد کسی نص یا خبر (آیت یا حدیث رسول اللہ) کے تحت نہیں آتا۔
[۳-۴] دیکھیے سورہ الممتحنہ کی آیہ ۸ اور ۹
کفارِ ہند سے موالات کی خاطر اور ہندو مسلم اتحاد کے لیئے انہی آیات کریمہ پر زور دیا گیا دراصل "مفتیانِ سیاسی" نے سورۃ الممتحنہ کی تشریح کے سلسلہ میں بڑی خیانت سے کام لیا ہے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

۷. اس میں ائمہ حنفیہ حق پر ہیں یا باطل پر۔

۸. اس میں جمہور مفسرین کا مسلک مؤید حنفیہ ہے یا نہیں۔

۹. جو اکثر اہل تاویل کے خلاف آیہ لَا یَنْھٰکُمُ کو ہر حربی غیر محارب بالفعل کے لیئے عام مانتے تھے وہ اس کے نسخ کے قائل ہوئے یا نہیں۔

۱۰. امام عطا ابن ابی رباح اُستاذ امام اعظم ابو حنیفہ و عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم مولائے عمر فاروقِ اعظم و قتادہ تلمیذ حضرت انس و مقاتل وغیرہم نے اس کو منسوخ بتایا یا نہیں۔ [۱]

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

(مذکورہ آیات کا ترجمہ ہم نے حامیان "تحریکِ خلافت و تحریک ترکِ موالات کی افتراء پردازیاں" کے باب میں حواشی میں ایک مقام پر نقل کیا ہے) "مسئلہ ترکِ موالات کی ماہیت" سیاسی مفتیان سے اُوپر ذکر کیئے گئے سوالات کو سمجھنے اور ان کے پیش کردہ فریب آمیز مغالطہ کی تہ تک پہنچنے کے لیئے اس دور کی مشہور کتاب "النور" کے مطالعہ سے بھی ساری حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور سیاسی مفتیان سے اس کے مصنف کا اشارہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"موالات کے سیاسی مفتیوں نے دو ترجمے کیئے ہیں ایک محبت و دوستی اور دوسرا مناصرۃ (یعنی مدد دینا یا مدد لینا) مفتیان سیاسی مناصرۃ سے مطلق مدد دینا یا لینا ارادہ کرتے ہیں تاکہ نان کوآپریشن کے حدود دائرۂ شریعت میں آجائیں اور یہی اُن کی خیانت ہے۔ موالات جب مناصرۃ کے معنی میں لیا جائے گا تو وہاں نصرۃ علی المؤمنین مراد ہوگا یعنی ایسی مدد جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو یا نصرۃ الکفر مراد ہے یعنی کفر کی مدد۔ (البتہ) معاشرتی تمدنی اور اخلاقی امور میں مناصرۃ ہرگز ہرگز ممنوع نہیں۔"

(محمد سلیمان اشرف، پروفیسر سید۔ "النور" مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء ص ۱۱۸ تا ۱۱۹)

[۱] "تحریکِ ترکِ موالات کے علمبردار علماء کے نظریات قرآن و احادیث کے علاوہ اقوالِ صحابہ و ائمہ سے بھی متصادم تھے اس لیئے امام احمد رضا کے علاوہ اُن کے خلفاء و تلامذہ نے اس نظریہ کی تردید اور اس کی بیخ کنی کے لیئے اپنی صلاحیتوں کو داؤ پر لگا دیا جس میں انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ملی۔" (انجم، پروفیسر غلام یحییٰ۔ مقالہ دوم مشمولہ "مقالات امام احمد رضا اور مولانا ابو الکلام آزاد کے افکار" مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء ص ۷۲ و ۷۳)

۱۱. جلالین میں اسی پر اقتصار فرما کر حسب التزام مُصرّح خطبہ اُس کے منسوخ ہونے ہی کو راجح تر کہا یا نہیں۔

۱۲. اِتحاد مع خلوص و اخلاص مُوالات ہے یا نہیں۔

۱۳. بلکہ اتحاد نفس مُوالات سے بھی زائد ہے یا نہیں، دوستی سو سے ہوتی ہے مگر اِتحاد کہ یکجان و دو قالب ہو جائیں، دو ہی ایک سے یا خُلوص و اِخلاص کا اِتحاد بے دوستی بھی ہوتا ہے۔

۱۴. قرآن عظیم نے مُطلقاً سب کُفّار سے مُوالات کُفر و حرام بتائی ہے یا اُس میں مُشرکینِ ہند کا اِستثناء ہے۔ ؎۱

۱۵. مُشرکین و کُفّار سے ظاہری و صُوری مُوالات بھی قرآن عظیم نے حرام و گمراہی بتائی یا صرف دِلی حقیقی۔

۱۶. اصحاب بدر علیہم الرضوان سے کُفّار کی دِلی مُوالات نا مُتصوّر ہے یا نہیں۔

۱۷. یہ حُکم اِبتدائے اِسلام میں تھا کہ اُنہیں کُفّار و مُشرکین سے قتال کرو جو تم سے لڑیں، اخیر حُکم مُستقر مُستمر سب حربیوں کو عام ہو گیا کہ اُن سے لڑو، اُن پر سختی کرو اگرچہ وُہ ہم سے کبھی نہ لڑتے ہوں یا وُہی تخصیص اب بھی باقی ہے۔

۱۸. قتل و غِلظت برّ و سلوک نیک کی ضِد ہیں یا کیا۔

۱۹. قرآن عظیم نے عُموماً تمام کُفّار و مُشرکین کو ہمارا قطعی دشمن و بدخواہ بتایا ہے یا اس میں مُشرکینِ ہند کا اِستثنا ہے۔

؎۱ "اِن احکام میں کُفّارِ ہند اور کُفّار یورپ سب مُساوی ہیں بجز اس کے کہ کُفّار اہلِ کتاب کا کھانا کھانا اور نِکاح میں کِتابیہ عورت کا لانا بموجب حُکم قرآن پاک مُباح و جائز ہے اس کے سوا جُملہ احکام شرعیہ کُفّار اہلِ کتاب و کُفّار غیر اہلِ کتاب دونوں کے لیے یکساں ہیں۔" (محمد سُلیمان اشرف: "النُور" مطبع مُسلم یونیورسٹی اِنسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ ۱۹۲۱ء۔ ص ۱۰۴)

۲۰۔ اُن میں کسی کو رازدار بنانے سے عُموماً منع فرمایا ہے یا مُشرکینِ ہند کو الگ کر لیا ہے۔

۲۱۔ معدودے چند مُشرکوں سے استعانت کا جواز صرف بشرطِ حاجت اُس حالت میں ہے کہ وُہ ذلیل مقہور دبے لچے ہوں، کتابوں نے اِس مسئلہ میں فقط ذمّی کا ذکر کیا ہے، ائمہ نے اس کی یہ مثال دی ہے جیسے کُتّے سے کام لے لینا یا مسئلہ مُطلق ہے۔

۲۲۔ آپ جو اپنے سے سہ چند خود سر حربی مُشرکوں سے استعانت کر رہے ہیں یہ اُن کی مدد پر بھروسا، اُن کی خیر خواہی پر اعتماد، اُن سے عزّت چاہنا، اُن کی تعظیم و تکریم کر کے اپنا کام بنانے کے لیئے اُن کی طرف التجا ہے یا وُہ حسبِ صُورت جائزہ شرعیہ ذلیل و قلیل آپ سے دبے لچے ہیں، آپ اُنہیں کُتّا بنا کر مدد لے رہے ہیں۔

(۲۳ تا ۲۶) مُشرکین سے وقتی مُعاہدہ بضرُورت صرف چند مدّت تک ترکِ قتال کے لیئے ہے اور[۲۴] وُہی کر سکتے ہیں جن سے اُنہیں قتل کا خوف ہو اور[۲۵] اس مُدّت میں بھی اُن سے قتال کے اسباب مہیّا کرتے رہنا فرض ہے، فُقہائے کرام نے اِن شرطوں کی تصریح فرمائی ہے یا نہیں۔ آپ[۲۶] کے مُعاہدہ میں یہ شرطیں مفقُود ہیں یا موجُود۔

۲۷۔ عُلمائے کرام نے کافر کی تعظیم کو کُفر اور مجوسی کو تعظیماً اے اُستاذ کہنے والے کو کافر لکھا ہے یا نہیں۔

۲۸۔ مہاتما کہنا استاذ کہنے سے بڑھ کر ہے یا نہیں

۲۹۔ مُشرک کو کہنا کہ خُدا نے ان کو تمہارے پاس مُذکّر[۱] بنا کر بھیجا ہے اللہ پر افترا اور

---

[۱] تحریکِ ترکِ مُوالات میں جمعیتُ العُلماء کے بعض راہنما مسٹر گاندھی سے اس حد تک مُتاثّر ہوئے کہ انہوں نے اُس کے لیئے "مُذکّر" اور "مُدبّر" جیسے الفاظ استعمال کیئے۔ "اِتمام حُجّت تامّہ"

(باقی برصفحہ آئندہ)

کافر کی سخت تعظیم اور موجب غضب شدید ربّ العزّۃ اور مذکّر مبعوث من اللہ نبی کا ہم پہلو ہے یا نہیں۔

۳۰۔ مشرک کو کہنا کہ قدرت نے اُن کو سبق پڑھانے والا مذکّر کر کے بھیجا ہے اور سبق بھی کاہے کا، فرض دینی کا۔ اُسے دین میں مسلمانوں کا اُستاذ کہنا ہُوا یا نہیں، مجوسی کو یا اُستاذ کہنے کا حکم اِس پر آیا یا نہیں۔

۳۱۔ خطبہ جمعہ میں مشرک کا نام، مشرک کی مدح، مقدّس ذات، پاکیزہ خیالات، ستودہ صفات کہہ کر داخل کرنا تعظیم کافر و توہین اسلام و موجب غضب ربّ و

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

میں مندرج سوال ۲۹ و ۳۰ میں اِسی جانب اِشارہ ہے۔ امام احمد رضا نے ایسے کلمات کا تعاقب کیا، چنانچہ ایک رُباعی میں فرماتے ہیں :-

مُدبِّر ز خدا شوی مُدبِّر منہش ــــ مُذکِّر ز ہوا شوی مُذکِّر منہش

مُشرک نجس ست و مُرتد انجس ازوے ــــ خُبث الخبثا شوی مُطہّر منہش

ترجمہ: مُشرک ناپاک ہے اور مُرتد اس سے بھی زیادہ ناپاک ــــــ وہ تو ناپاک سے بھی ناپاک تر ہے اُس کو پاک نہ کہو۔

("مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مع تنقیدات و تعاقبات" ص ۹۵، ۹۶ اور ۳۲۳)

[1] تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد نے ناگپور خلافت کانفرنس میں جمعہ کے خطبہ میں مسٹر گاندھی کی تعریف و توصیف فرمائی اور ان کے لیے "مقدّس ذات" اور "ستودہ صفات" القاب استعمال کیے ــــ ان القاب و آداب پر تنقید کرتے ہُوئے امام احمد رضا اسی پس منظر میں کہتے ہیں :-

دانی کہ چہ کرد ابوالکلام آزاد ــــ آزاد ز دین و شرع و اسلام و رشاد

ستودہ صفات و پاک ذاتش گفتہ ــــ در خطبۂ جمعہ حمدِ گاندھی بنہاد

ترجمہ: تجھے خبر ہے کہ ابوالکلام آزاد نے کیا کیا؟ ــــ وہ ابوالکلام جو دین، شریعت اور ہدایت سے آزاد ہے ــــ اس نے جمعہ کے خطبے میں یہ الفاظ کہے "ستودہ صفات"، "پاک ذات" ــــ (تحریکِ آزادئ ہند اور السّوادُ الاعظم" ص ۱۰۷، "تنقیدات و تعاقبات" ص ۹۷ - ۹۸، "مقالات امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار" ص ۷۷)

ضلالت شدیدہ ہے یا کیا۔

۳۲۔ مرتکب نے اسے حلال سمجھا تھا یا حرام جان کر، خطبہ جمعہ میں حرام داخل کر کے اللہ واحد قہار پر جرأت کی۔ حرام کو حلال ٹھہرانے والے کا کیا حکم ہے۔

۳۳۔ امر دینی میں مشرک کا پس رَو بننا شریعت کو اُلٹ دینا ہے یا کیا۔

۳۴۔ امر دین میں مشرک رہنما بنانا توہین اسلام ہے یا کیا۔

۳۵۔ حرام کاموں میں بزور زبان نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سند لینا اور انہیں سُنّت بتانا حضور کی توہین اور حضور پر افترا ہے یا نہیں۔

۳۶۔ حمایت دین کے کام میں مشرک کی اطاعت کرنا جو وہ کہے دُھن ماننا، تخریب دین اور بحکم قرآن مجید بجز و ارتداد ہے یا نہیں۔

۳۷۔ مساجد میں کفار کو لے جا کر مسلمانوں کا واعظ بنانا[1] اسلام و مسلمین و مسجد کی توہین ہے یا کیا۔

۳۸۔ اسے جائز بنانے کی کوشش اور اس میں رسائل کی نگارش تحلیل حرام قطعی ہے یا نہیں۔

۳۹۔ مشرک کے دخول مسجد کا اختلافی مسئلہ ذمی یا مستامن کے لئے ہے یا ہر کافر کو عام۔

۴۰۔ کفر کے عمل اور خود سر کثیر التعداد کافروں کے وطن میں ایسی آواز اٹھانا اور اُسے حکم شرعی بتانا مساجد کو توہین و پامالی کفار کے لئے بخوشی پیش کرنا ہے یا نہیں۔

۴۱۔ مشرکین کی مدحیں کہ تحریراً و تقریراً کمیٹی کے خواص و عوام کر رہے ہیں، بارشاد

---

[1] "جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر ...... مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لیے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد (مسجدوں) میں لے جاؤ؟ اُسے مسند مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ ...... کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے؟" ـــ (احمد رضا، امام۔ "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" مطبوعہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی ۱۹۲۱ء۔ ص ۸۴)

حدیث موجب غضب الٰہی و لرزۂ عرش ہیں یا نہیں۔

۴۲۔ کمیٹی[1] والوں کے فتوائے دہلی میں یہاں کے مسلمانوں پر انگریزوں سے قتال واجب لکھا، آپ مولوی عبدالباری صاحب کے خطبۂ صدارت میں ہے کہ "قیامت تک ہمارے لیے غیر مسلم کے تسلّط کے عدمِ جواز پر حکمِ ناطق صادر ہو چکا ہے جس میں تبدّل و تغیّر نہیں ہو سکتا۔" اب سوال یہ ہے کہ آپ اور آپ کے ہمنوا وغیرہم انگریزوں سے قتال پر قادر نہیں تو قتال واجب بتانا، شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بربادی چاہنا ہوا یا نہیں۔ اور قادر ہیں تو آپ سب صاحب اپنے منہ تارکِ فرض اعظم و راضی بہ تسلط کفر ہوئے یا نہیں۔ حضرت امام عرش مقام کے واقعۂ کربلا کو آپ حضرات نظیر میں پیش کرتے ہیں وہ بھی ملحوظ رہے کیا جب تک ۲۳ کروڑ ہندو آپ کے ساتھ نہ ہولیں آپ میں ۷۲ مسلمان نہیں۔

۴۳۔ سوراج[2] کہ اصل مقصود ہے اور غصہ نہ کیجئے تو شاید خلافت وغیرہ کا نام اس کا حیلہ ہو۔ بہر حال اس کی دو صورتیں ہیں:-

(۱) سلطنت انگریزوں کی رہے اور آپ حضرات کونسلوں وغیرہ میں دخیل ہوں یہ اس ترکِ موالات کا صریح رَد[3] ہے جس کی آپ کو کد ہے۔ آپ حامیِ موالات

---

[1] خلافت کمیٹی۔

[2] "سوراج" یا "سوراجیہ"۔ اپنا ملک۔ وہ ملک جس میں کوئی بادشاہ یا کوئی شخص اسی ملک کا رہنے والا خود ہی آپ حکومت اور اپنے ملک کا ہر طرح کا انتظام کرتا ہو (فرہنگ عامرہ ص ۳۲۵) گاندھی جی کو اس اصطلاح پر بے حد اصرار تھا۔ (قادری)

[3] "ہندوستان کے پیشہ ور مولویوں نے کتاب و سنت کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا تھا۔ جب کانگرس نے ترکِ موالات کا ریزولیوشن پاس کیا تو جمعیۃ العلماء نے بھی قرآن و حدیث کی بناء پر ترکِ موالات

(باقی برصفحۂ آئندہ)

نصاریٰ اور اپنے مُنہ دشمن اسلام ہُوئے یا نہیں۔

(ب) نصاریٰ کی سلطنت ہی نہ رکھیئے، اب پانچ صُورتیں ہیں (۱) کسی کی سلطنت نہ ہو ملک بالکل خود سر ہو، یہ بداہتہً ناممکن اور چوروں، ڈاکوؤں، زانیوں، قاتلوں کے لیے چوپٹ دروازے کھول دینا ہے (۲) ہنود کی سلطنت ہو اور آپ اُن کے غلام، یہ آپ سے تعجب نہیں جس کے نا پھن ابھی سے نظر آ رہے ہیں جب دین میں اُن کی امامت مان لی دُنیا میں ماننے کون روکتا ہے (۳) آپ کی سلطنت ہو اور ہنود آپ کے غلام، اس پر قطعاً ہنود راضی نہ ہوں گے اور اتحاد کی ہنڈیا چوراہے میں پھُوٹے گی (۴) دونوں کی سلطنت مجتمع ہو کہ تمام احکام و انتظام آپ اور ہنود کی رائے سے نافذ ہوں اور وقت اختلاف کثرت رائے معتبر ہو جو یقیناً ہنود کے لیے ہوگی (۵) تقسیم ملک کہ اتنا آپ کا اتنا ہندوؤں کا۔ اِن دونوں صُورتوں میں احکامِ کفر تمام ملک یا بڑے حصّے میں آپ کی رضا سے جاری ہوں گے کہ آپ ہی اُس اشتراک یا تقسیم پر راضی ہُوئے، احکامِ کفر پر رضا کفر یا کم از کم سخت بددینی ہے یا نہیں۔

۴۴۔ سلطنت صِرف آپ کی ہو یا مشترکہ یا منقسمہ، بہر حال وہابیوں، دیوبندیوں

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

کا فتویٰ دے دیا۔ پھر حالات بدلے اور سی۔ آر۔ داس اور موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی قائم کر کے کونسلوں کے مُقاطعہ کی شرط اُٹھا دی تو ان ہی پیشہ ور مولویوں نے جھٹ پہلا فتویٰ منسوخ کر کے کونسلوں میں داخلے کو جائز قرار دینے کی غرض سے نیا فتویٰ داغ دیا۔" (بٹالوی، عاشق حسین۔ "ہماری قومی جدّو جہد" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۶۲، ۶۳)۔ "عُلماء کا یہ گروہ درحقیقت اسلامی سیاست کے بارے میں انتہائی ژولیدہ فکری اور کج فہمی کا شکار تھا۔" (فاروق القادری، سید محمد "پیشِ لفظ": "کانگرسی مسلمان اور حقائق قرآن" از مفتی سید شاہ مصباح الحسن طبع پاکستان ۱۹۷۹ء، صفحہ "ک" اور "ل")۔

کا بھی اُس میں کوئی حصہ تجویز ہُوا ہے یا نہیں، دُوم نامعقول۔ وہابیہ و دیوبندیہ" آپ اور ترکوں اور سلطانِ اسلام ایدہ المولیٰ تبارک و تعالیٰ سب کو مُشرک اور اماکنِ مقدّسہ کو شرکستان جانتے ہُوئے مُفت تو اس سرگرمی سے آپ کے ساتھ نہ ہُوئے اور بر تقدیرِ اوّل انہیں مُسلمانوں پر تسلّط دینا اِسلام کو ذبح کرنا ہے یا نہیں۔

۴۵۔ یہ سچ ہے یا نہیں جو ابھی معرُوض ہُوا کہ وہابیہ و دیوبندیہ، آپ اور تُرکوں اور سُلطان سب کو مُشرک اور اماکنِ مُقدّسہ کو شرکستان جانتے ہیں، پھر اُنہیں رکنِ مجالس و صدرِ مجالس و شیخُ الہند بنانا کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے یا کیا۔

۴۶۔ وہابی و دیوبندیہ آپ کے نزدیک مُرتد یا کم از کم گمراہ و بددین ہے یا نہیں۔ صاف صاف بولیئے، یہ سُوال شاید مولوی عبد الباری و عبد الماجد صاحبان سے خاص کرنا پڑے، آزاد صاحب آزاد ہیں۔

۴۷۔ کمیٹی کے جلسوں وغیرہا میں وہابیہ و دیوبندیہ کی علانیہ دھوم دھامی توقیریں ہو رہی ہیں، وُہ اگر بالفرض مُرتد نہ ہوں تو کل تک آپ دونوں کے نزدیک بدمذہب بددین تو تھے، بدمذہب کی توقیر[1] بحکمِ حدیث، دینِ اسلام کے ڈھانے پر اعانت ہے یا نہیں۔

۴۸۔ جو اللہ عزّ و جل کو رام اور قسمِ الٰہی کی جگہ رام دوہائی کہنا جائز بتلائے، گمراہ بددین ہے یا کیا۔

---

[1] "ارشادِ نبوی ہے۔ "جس شخص نے کسی صاحبِ بدعت کی عزّت کی اُس نے دینِ اسلام کو ڈھا دینے میں مدد دی۔" (مشکوٰۃ ص ۳۱ بحوالہ یوسف لدھیانوی، مولانا محمد: "روزنامہ جنگ" لاہور، ۴ مئی ۱۹۸۷ء بعنوان "علامہ اقبال اور جدید اسلامی ریاست میں تعبیرِ شریعت کا اختیار")

۴۹۔ زمینوں کو مُقدّس کہنا باعتبار عظمت دینی ہوتا ہے، ہر دین والا اپنے دین کے اعتبار سے کہتا ہے، جیسے اماکن مقدسہ، مقامات مقدسہ، یا نری نجاست سے طہارت دے دینے پر بھی کہتے ہیں جو ایک پاخانہ کو دھل جانے پر حاصل ہے۔

۵۰۔ عبادت گاہ مشرکین کی زمین کو مقدس زمین مشرک کہے گا یا مسلمان، ایسا کہنا کیا ہے۔

۵۱۔ جو ایسے نئے[1] دین نکالنے کی فکر میں ہوں کہ مسلم و ہندو کا امتیاز اٹھا دے اور جس میں سنگم و پریاگ[2] مقدس علامت قرار پائیں وہ کافر ہیں یا کیا۔

---

[1] اس مذہب نو کا اشارہ جلسۂ خلافت کمیٹی (منعقدہ الہ آباد، ۲۔ جون ۱۹۲۰ء) کی رپورٹ سے ملتا ہے جو مولانا شوکت علی مرحوم نے تیار کی۔ اخبار ہمدم (لکھنؤ) ۸۔ جون ۱۹۲۰ء میں یہ رپورٹ شائع ہوئی۔ اور اس رپورٹ کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں پس منظر کے زیر عنوان حواشی میں ایک جگہ کر دیا ہے۔

گویا اس دور ابتلا میں "ہندو مسلم اتحاد" کے ساتھ ساتھ بعینہ ایک نئے مذہب کی بات کی جانے لگی جس طرح دور اکبری میں دین الٰہی کی بات کی جا رہی تھی۔ اس اتحاد میں ملت اسلامیہ کا سراسر نقصان تھا اور مشرکین اور کفار ہند کا فائدہ، چنانچہ امام احمد رضا نے اس کے خلاف مؤثر آواز اٹھائی۔ مندرجہ ذیل رباعی میں انہوں نے اسی تلخ حقیقت کا ذکر کیا ہے:۔

گفتند کہ طرح کیش تازہ فگنیم	آتش در فرق کفر و اسلام زنیم
دینے نو آریم و برنگ کعبہ	تقدیس پے سنگم و پریاگ کنیم

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ہم نئے دین کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ ہم کفر و اسلام کے امتیاز کو نذر آتش کر دیں گے ـــ ہم نیا دین لا رہے ہیں اور کعبہ کی طرح پریاگ و سنگم کی تقدیس کریں گے۔" (بحوالہ "تحریک آزادئ ہند اور السّواد الاعظم" ص ۸۲ اور "تنقیدات و تعاقبات" ص ۱۰۹-۱۱۰)

[2] الہ آباد کے نزدیک وہ مقام جہاں دریائے گنگا و جمنا ملتے ہیں، تیسرے دریائے سرسوتی کا سنگم زمین کے نیچے مخفی طور پر ہے اور ہندو اس جگہ کو متبرک و مقدس سمجھتے ہیں۔ ہر بارہ[12] سال کے بعد وہاں زبردست میلہ لگتا ہے جس کو کُنبھ کا میلہ کہا جاتا ہے (دیکھیے۔ حاشیہ "تنقیدات و تعاقبات" ص ۱۱۰، "ہندی اردو لغت" ص ۱۷۸ اور ۲۰۵)

٥٢. مُشرکوں سے مُؤاخات حرام ہے یا نہیں۔

٥٣. مُشرک کے یقینی بھائی[1] بن جانے کو نیک کام بتانے والا تحسین حرام سے کفر کو پہنچایا گیا۔

٥٤. جو خلافتِ صدیق وفارُوق کے مُنکروں کو کافر نہ جانے[2] لیکن خلافتِ تُرک کے مُنکر کو کافر و خارج از اسلام کہے[3] اُس نے اللہ و رسُول پر افتراء اور صدیق وفارُوق کی سخت توہین کی یا کیا۔

٥٥. کٹارپور کے سنگین ناپاک واقعات میں جن مُشرکین نے مسلمانوں کو ناحق قتل کیا[4] جلایا، قرآن مجید پھاڑے، مسجدیں ڈھائیں، اُن کی رہائی کے لیے ریزولیوشن

---

[1] تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ مُوالات کے زمانے میں ہندو مُسلم اتحاد کی پُوری پُوری کوشش کی گئی۔ چُنانچہ جلسہ جمعیۃ العلماء میں جس کا انعقاد بماہ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی میں ہُوا، میں یہاں تک کہا گیا :۔

"اے اللہ! ہم سے ایک نیک کام ہوگیا ہے کہ مَیں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی ہو گئے ہیں۔" (اخبار فتح، دہلی ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ مُحمّد سُلیمان اشرف، پروفیسر سیّد۔ "النُور" مطبوعہ علی گڈھ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء۔ ص ۲۲۷)

[2] "جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے ...... وہ اپنے اِس گُناہ کبیرہ کے سبب سُنّت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔" ("فتاوی رشیدیہ" مطبُوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۹۲ء ص ۱۳۴)

[3] دیکھیے مسئلہ خلافت و جزیرۃ العرب از ابُوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد بدایُونی کا خُطبہ صدارت خلافت کانفرنس دہلی (مُنعقدہ ستمبر ۱۹۲۰ء)

[4] "کیا وُہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قُربانی گاؤ پر اُن کے سخت ظالمانہ فساد پُرانے پڑ گئے؟ کیا کٹارپُور و آرہ اور کہاں اور کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دِلوں سے محو ہو گئے؟ بے گُناہ مُسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے،

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

پاس کرنا دشمنانِ اسلام کا کام ہے یا مسلمانوں کا.

۵۶. ایسے ہی اور شدید ناپاک افعال کہ اتحاد ہنود منوانے نے صادر کرائے جن کا بیان متعدد اشتہارات و رسائل میں ہو لیا، اُن کا وبال اُنہیں اتحاد منوانے والوں پر ہے یا نہیں کہ **انما علیك اثم الاریسیین**

۵۷. نمبر ۴۸ سے یہاں تک اور اسی طرح اور افعال خاصہ پر آپ صاحبوں نے خرابی و بربادی اسلام و دین دیکھ کر بے چینی سے دھواں دھار صاف مُصرّح بالاعلان بار بار نوٹس نہ لیئے اور محض سکوت یا مجمل بات یا ایک آدھ بار مثلاً "نشاید" کہنے پر اکتفا کی جس سے اُن کو شہ ملتی رہی اور اُن کا وبال انتہاءً بھی آپ کے سر پڑتا رہا یا واقعہ اُس کے خلاف ہے.

۵۸. جس کے دشمنوں سے اتحاد و اخلاص منایا جائے اس میں اُس کی محبت ملحوظ رہنے ادعا اُس کے ساتھ استہزا ہے یا کیا.

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآنِ کریم کے پاک اوراق پھاڑے جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیئے کلیجہ مُنہ کو آئے." (احمد رضا، امام- المحجۃ المؤتمنۃ مطبع حسنی پریس، بریلی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء- ص ۲۷)

نوٹ: "۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا، ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ ہوا، ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ، شاہ آباد، بلیا، اعظم گڈھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر (۱۹۱۸ء میں کرتارپور میں خونریز) فسادات ہوئے جن کی نظیر اس دور میں بھی نہیں ملتی۔ "مشرکین ہند سے وداد و اتحاد کے وقت مسلمان قائدین نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں کو فراموش کر دیا تھا حالاں کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس سے دوستی کی جا رہی تھی اُس کے ماضی و حال کو اچھی طرح پرکھ لیا جاتا ...... فاضل بریلوی نے موالات و ترکِ موالات پر (المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنہ میں) محققانہ بحث کے دوران اس کے تاریخی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جن مشرکین سے دوستی کا دم بھرا جا رہا ہے ان کا ماضی کتنا مہیب و خوفناک ہے." (محمد مسعود احمد، پروفیسر- "فاضل بریلوی اور ترک موالات" مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۱ء- حاشیہ ص ۶۵ اور ص ۶۵)

۵۹. جن کو قرآن عظیم فرمائے کہ تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے،[1] اُن کو اپنا خیر خواہ جاننا قرآن عظیم کی تکذیب ہے یا نہیں۔
۶۰. کافروں کو مددگار بنانا قرآن عظیم نے صاف حرام فرمایا یا نہیں، دیکھئے احلاحتہ اِس بارے میں کوئی آیت کریمہ ہے یا نہیں۔
۶۱. اکابر سادات و عُلماء و جُملہ مسلمین زمانہ کا اسلام برائے نام بتانا اور اُن میں اور کُفار میں اِمتیاز نہ ٹھہرانا کُفر ہے یا کیا۔
۶۲. یُونہی اپنے آپ کو ایسا کہنا اِقراری کُفر ہے یا کیا۔
۶۳. سیّدنا مسیح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صاحبِ شریعت جدیدہ تھے یا نہیں، قرآن کریم نے اُن کو بعض احکامِ شریعت مُوسویہ کا ناسخ اور توریت وانجیل وقرآن کو مُستقل شریعتیں بتایا یا نہیں، جو اُن کے صاحبِ شریعت ہونے کا مُنکر ہو وُہ قرآن مجید کا مکذّب اور کافر ہے یا کیا۔
۶۴. جو حضرت مسیح کو کہے پلاطوس کے بے رحم سپاہیوں نے ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا تا وُہ صلیب پر لٹائے جائیں اور جو لکھا ہے وُہ پُورا ہو، اس مجاہد (مسیح) نے اپنی عظیم قربانی کر کے تکمیل کر دی، اور کہے ناصرہ کے واعظ (مسیح) کی طرح اپنی مظلومانہ قربانی اور اپنے خُونِ شہادت کی تلاش ہو،[2] اُس نے مسیح کو مصلوب و مقتول کہہ کر قرآن تکذیب کی اور کافر ہُوا یا کیا۔

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ آلِ عمران، ۱۱۸
[2] ابوالکلام آزاد نے بعض ایسے کلمات کہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وُہ اِس کے قائل تھے کہ معاذاللہ! حضرت عیسےٰ علیٰ نبینّا وعلیہ السّلام کو یہودیوں نے سولی پر چڑھا دیا۔ امام احمد رضا نے ان کلمات پر سخت برہمی کا اِظہار فرمایا اور اس رُباعی میں ان کے اسی عقیدے کی طرف اِشارہ کیا ہے جو مندرجہ بالا سُوال میں مذکور ہُوا: (باقی حاشیہ برصفحۂ آئندہ)

۶۵. جو ہمارے نبی افضل الصلوٰۃ والسلام کو کہے خدا نے بھی اس کا سب سے بڑا وصف بتایا تو یہی بتایا کہ وہ اُس کی آیتیں پڑھتا اور اُس کی طرف سے اُس کے بندوں کو تعلیم دیتا ہے، اُس نے حضور کے تمام خصائص جلیلہ کا انکار کیا، حضور کو ہر نبی بلکہ ہر تالی قرآن معلم خیر کا مساوی کر دیا، اور کافر ہوا یا کیا۔

۶۶. قربانی گاؤ خصوصاً یہاں ایک عظیم شعار اسلام اور اُسے اتحاد ہنود کی خاطر یا اُن کی مروّت سے بند کرنا بد خواہی اسلام ہے یا کیا۔

۶۷. مسلمانوں پر یہ بدگمانی کہ خوشنودی نصاریٰ دخل اندازی کار خلافت کے لیئے اپنے مذہبی شعار پر مُصر ہیں اور اُس پر یقین کرنا اور اس بنائے فاسد پر یہ زعم کہ ان کی قربانی بھی حرام اور اُس کا گوشت بھی مُردار، اور یہ قربانی مذکور نہ چھوڑیں تو کافر ہیں، یہ قلب پر حکم اور مسلمانوں پر اشد بدگمانی اور حلال کی تحریم اور اللہ پر افترا اور مسلمانوں کی ناحق تکفیر ہے یا نہیں۔

۶۸. آپ حضرات بریلی تشریف لاتے ہیں، یہاں کی انجمن آپ کی تابع نے گاندھی کی آمد پر ایک سپاسنامہ چھاپا جس میں مشرک کو مسیحا اور دلوں کا حاکم اور مُردہ قوم کو جِلانے والا، آبِ حیوان پلانے والا، بیکسوں کا حامی و یاوَر، گمراہوں

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

دانی کہ چہ گفت ابوالکلام رُخ زرد | عیسیٰ نہ نبی بود و نہ شرعی آورد
بردار کشید ندو یہودش کشتند | بنگر کہ بحرف حرف قرآں ردّ کرد

ترجمہ: تمہیں معلوم ہے کہ ابوالکلام زرد رُو نے کیا کہا؟ — اُس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ نبی تھے اور نہ وہ کوئی شریعت ہی لائے — یہودیوں نے ان کو سولی پر چڑھا کر مار دیا، دیکھو دیکھو ابوالکلام نے قرآن کے ایک ایک حرف کو جھٹلایا ہے۔"

(تنقیدات و تعاقبات مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ مکتبۂ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء - ص ۹۹، ۱۰۰ بحوالہ محمد مصطفیٰ رضا خان: الطاری الداری، ج ۳، ص ۹۱، ۹۲)

کا رہبر، رحمت وپاک دل وغیرہ وغیرہ کیا کیا کہا[1] حتیٰ کہ لکھ دیا ع "خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست" اور یہ کہ اس کے فیضِ قدم سے شہر دُلہن بن گیا، مطلع انوار ہو گیا، ایک ایک کُوچہ رشکِ گلشن، ہر مکان قصورِ بہشتی پہ طعنہ زن۔ آیا ان لوگوں پر اعلان کے ساتھ توبہ چھاپنا، تجدیدِ اسلام کرنا فرض اور تجدیدِ نکاح کا حُکم ہے یا نہیں، کیا آپ اس فرض، نہی عن المنکر کو ادا کریں گے۔

۶۹۔ قرآنِ عظیم نے مُطلقاً کُفّار و مُشرکین کو بدترین خلق اور ہر ذلیل سے ذلیل تر وں میں داخل فرمایا ہے یا نہیں، اُن کے لیئے عزّت ماننا تکذیبِ قرآن ہے یا نہیں۔

۷۰۔ بلا اکراہ وخوف صحیح اُن کی عظمت کرنا، اُن کی لمبی چوڑی تعریفیں کرنا مخالفتِ قرآنِ عظیم ہے یا نہیں؟

بہت کچھ عرض کرنا ہے کاش! پہلے اسی قدر صاف ہو جائے، جواب آپ حضرات کے تحریری دستخطی ہوں، زبانی لفظ ہوا میں اُڑ جاتے ہیں۔ جن سُوالوں میں دُوسری شق (یا کیا) ہے، اُن میں فقط (نہیں) اور اس کی دلیل بس نہ ہو گی بلکہ حُکم کی تعیین فرمائی جائے جس سے کم وبیش نہ ہو اور اس پر دلیل دی جائے۔

---

[1] بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر اراکینِ انجمن اسلامیہ (بریلی) کی طرف سے اکتوبر ۱۹۲۰ء میں سپاس نامہ پیش کیا گیا، جو پنجابی گزٹ پریس، بریلی میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ ایک طرح کا قصیدہ مدحیہ ہے۔ کافی طویل ہے۔ جلسے میں خلافت کمیٹی کے راہنما اور دُوسرے عُلماء موجود تھے مگر کسی نے مدحیہ اشعار کے مفہوم پر گرفت نہ کی۔ سب نے سُنے اور خاموش رہے۔ مندرجہ سُوال ۶۸ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ (قادری)

اخیر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ مقصود صرف تحقیقِ حق ہے اور آپ ہی کی طرف کے اِشتہار جواب ملنے کی اُمید دلاتے ہیں.

تمام امورِ مذکورہ کے صاف ہونے کے بعد بریلی سے تشریف لے جائیں ورنہ خدارا انصاف!

وُہ کچھ کفریات وضلالات ووبالات برتتے جائیں اَور اُن پر جو غریب مسلمان مخالفت کریں، اُن پر جھوٹ کے طُومار، تہمتوں کے انبار باندھے جائیں یہ کیا اسلام اَور کون سا انصاف ہے.

کیا قیامت نہ آئے گی، حساب نہ ہوگا، واحدِ قہّار کے حضور سوال وجواب نہ ہوگا. اے میرے رب ہدایت فرما. آمین!

وصلاۃ ربنا وتسلیماتہ علے سیدنا ومولٰنا وناصرنا وماوٰنا والہ وصحبہ وابنہ حزبہ اجمعین امین برحمتک یاارحم الراحمین

(مولوی حکیم حاج)
محمّد امجد علی قادری، برکاتی [۱]

ہشتم رجب مرجب ۱۳۳۹ھ

---

[۱] دوامغ الحمیر، ص ۴۰ تا ۴۶،
اِشتہار اتمام حُجّت تامّہ: (۱۳۳۹ھ)، مطبوعہ مطبع اہلِ سُنّت وجماعت بریلی مارچ ۱۹۲۱ء

الحمد للہ الواحد القہار

وہ مبارک واطیب اشتہارات نافیۂ کفر وضلالات کہ روزِ اول سے اب تک
گاندھویت ملعونہ کے رد مین شائع ہو کر بہمانۂ مشرک پرستی کو توڑ کر خاک مین ملاتے ہیے
جنمین ہر اشتہار سچا ظفر نامہ ۱۳۴۰ ہے بحمدہ تعالیٰ اونکا مجموعہ
مسمیٰ بنام تاریخی

دوامغ الحمید ۱۳۴۰ھ

معروف بعرف تاریخی

قہر القہار بر گاندھویت ۱۳۴۰ھ

ملقب بلقب تاریخی

ذوالفقار حیدر ۱۳۴۰ھ

بحسن ترتیب حضرات ارکین جماعت رضائے مصطفےٰ (علیہ افضل الصلاۃ والثنا)
باہتمام جناب مولنا مولوی حسنین رضا خان صاحب

مطبع حسنی بریلی مین چھپ کر گاندھویہ کے سر و سینہ پر دوبارہ برق بار ہوا

قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک ۱۲/

سرورق: "دوامغ الحمید" مرتبہ: مولانا حسنین رضا خان مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء

"اِتمامِ حجّت تامّہ" کا مطبوعہ اشتہار ۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفےٰ اور دیگر اکابر اہلِ سنّت پر مشتمل وفد لے کر جمعیّت العلماءِ ہند کے اراکین کے پاس عصر کے بعد پہنچا، بڑی تگ و دَو کے بعد ناظمِ استقبالیہ کمیٹی جمعیّت العلماء، جناب مولوی عبدالودود سے ملاقات ہوئی۔ رئیس وفد مولانا حسنین رضا خاں نے انہیں بتایا۔

"جناب مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب (صدر شعبہ مقاصدِ علمیہ جماعت رضائے مصطفےٰ) نے ہمیں بھیجا ہے کہ آپ کی طرف سے اشتہارات میں اہلِ حق سے قصد مناظرہ شائع ہوا ہے، ہم تحقیقِ حق کے لیئے حاضر ہیں، وقت دیجئے۔" [۱]

اِس کے جواب میں جناب مولوی عبدالودود نے کہا:

"مَیں تو استقبالیہ کمیٹی کا ناظم ہوں، دربارہ مناظرہ مجھے کچھ اختیار نہیں، اس کا تعلّق ناظم جمعیّت العلماء سے ہے وہ میرے دُوسرے مکان میں مقیم ہیں، مَیں آپ کو لیئے چلتا ہوں۔ میری ذاتی رائے ضرور ہے کہ تحقیقِ حق ہو جائے تو بہتر (ہے) بلکہ میرے نزدیک انعقادِ جمعیّت کا اصل مقصود یہی ہے۔" [۲]

جناب مولوی عبدالودود اس وفد کو لے کر مولانا عبدالماجد بدایونی کے پاس پہنچے مولانا بدایونی کو وفد کی آمد کا سبب بتایا گیا، اور ساتھ ھی اشتہار "اتمامِ حجّت تامّہ" اور مولانا امجد علی رضوی کا پیغام پہنچایا۔ مولانا بدایونی نے فرمایا:

---

[۱] دوامغ الحمیر، ص ۴۸

[۲] دوامغ الحمیر، ص ۴۸

"یہ مسئلہ ارکان اصلیہ جمعیۃ العلماء سے تعلق رکھتا ہے میں بحیثیت
ناظم جمعیت طے نہیں کر سکتا۔"[۱]

رئیس وفد مولانا حسنین رضاخاں نے فرمایا:

"جب جمعیت کا مقصود اصلی مناظرہ ہے اور خود یہ مقصد اشتہارات
میں شائع ہو چکا ہے پھر اس کے قبول کے لیئے ورُود پارٹی کا کیا انتظار"[۲]

مولانا عبدالماجد بدایونی سے کوئی جواب نہ بن پڑا، مناظرہ کی راہ سے فرار
ہونے کے لیئے کئی حیلے تراشے گئے، کبھی مناظرہ کے لیئے ارکان اصلیہ کا سہارا لیا گیا
(نہ معلوم یہ ارکان اصلیہ کون تھے؟) کبھی ملکی حالات کے تحت بحث و مباحثہ
کرنا ملّی تقاضوں کے منافی بتایا گیا۔ مولوی عبدالودود صاحب نے اپنے پروگرام میں
عدم گنجائش کا بہانہ تراشا اور کہا کہ "چونکہ جمعیت کے اجلاس کا پروگرام طے ہو چکا
اور اشتہارات کی شکل میں چھپ چکا ہے اس لیئے ہم اس میں ترمیم نہیں کرنا چاہتے"
ساتھ ہی پروگرام کے مطبوعہ اشتہارات رکن وفد ماسٹر عظیم الدین صاحب کو
دیئے اور پہلو بدل کر اپنی سابقہ گفتگو کے خلاف یوں کہا:

"جمعیت کا سالانہ اجلاس ہے اس سے صرف نشر و ابلاغ مقصود
ہے اور کوئی غرض نہیں"[۳]

آگے بڑھنے سے پہلے اس جلسہ کے انعقاد کی خبر پڑھیئے۔

"صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے جمعیۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بمقام
بریلی زیر صدارت مولوی ابوالکلام صاحب آزاد ۱۳، ۱۴ و ۱۵۔ رجب المرجب

---

[۱] دوامغ الحمیر، ص ۴۸
[۲] دوامغ الحمیر، ص ۴۸
[۳] دوامغ الحمیر، ص ۴۸

۱۳۳۹ھ مطابق ۲۴، ۲۵ و ۲۶۔ مارچ ۱۹۲۱ء کو منعقد ہو گا۔ ۴؍ (چار آنے) ٹکٹ داخلہ، داخلہ عام اور عصر (دو روپے) امتیازی شرح چندہ ہو گی۔ حضرات مدعوین کا قیام و طعام منجانب جماعت استقبالیہ ہو گا۔ دیگر مہمانان جو ۲۰۔ مارچ تک تشریف لانے کی اطلاع دے دیں گے اُن کے طعام شبانہ روز و داخلہ کا انتظام للعہ (چار روپے) روزانہ پر کیا جائے گا۔ بہت سے علماء اور پولیٹیکل لیڈروں کی شرکت کی اُمید ہے"[1]

جلسہ منعقد ہونے اور اس کے انتظامات کی خبر سے منتظمین کے عزائم کی جھلک نظر آتی ہے۔ تین ۳ روز کا جلسہ علماء اور پولیٹیکل لیڈروں کی یورش کسی بڑے طوفان کی اطلاع دیتی ہے ——— مگر ابوالکلام آزاد اور ان کے حامی لیڈروں کا نظریہ اور مؤقف بڑی بُری طرح ناکام ہوا۔

علماءِ اہلِ سنّت کی زبردست خواہش تھی کہ علماء کے اس اجتماع سے فائدہ اُٹھا کر مسائل حاضرہ کے بارے میں کوئی متفقہ لائحہ عمل طے کر لیا جائے، اس کے لئے انہوں نے پوری کوشش کی۔ رئیس وفد مولانا حسنین رضا خاں رضوی نے زور دیتے ہوئے مولانا عبدالماجد بدایونی سے کہا:

"ترتیب اوقات آپ کے اختیار میں ہے تنگ دلی نہ کیجئے، تحقیق حق کو وقت دیجئے"[2]

اس کے جواب میں مولانا بدایونی نے فرمایا:

"جلسہ کے تین دنوں میں سے ایک دن جناب عبدالودود صاحب نے خلافت

---

[1] روزانہ پیسہ اخبار لاہور ۹۔ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ / ۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء۔ ص ۵، کالم ۲

[2] دوامغ الحمیر، ص ۴۸

[3] جمعیت العلماءِ ہند نے سالانہ جلسہ کے لیے تین دن ۱۲ تا ۱۴۔ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۲ تا ۲۴۔ مارچ ۱۹۲۱ء کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ اجلاس کی یہی تاریخیں صحیح ہیں۔ (قادری)

کانفرنس کے لیئے لیلا اب میرے پاس صرف دو دن باقی ہیں جن کا پروگرام شائع ہو چکا ہے۔"[1]

رئیس وفد نے کہا :

"تحقیقِ حق ان سب باتوں پر جو پروگرام میں ہیں، مقدّم ہے۔"[2]

بار بار کے اصرار کے باوجود مولانا عبد الماجد بدایونی اور جمعیت العلماءِ ہند کے دیگر اراکین مسائلِ حاضرہ کے انقطاعی اور اجتماعی فیصلہ کے لیئے تیار نہ ہوئے چونکہ اکابرِ جمعیت العلماء کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ موجودہ تحریکوں میں ہماری حرکات سراسر اسلامی احکام کے خلاف ہیں اور ہمارا طرزِ عمل مسلمانوں کے لیئے نقصان دہ - بحث و مباحثہ کے بعد اسلامی احکام کے مطابق اسلامیانِ ہند کے لیئے قابلِ عمل پروگرام طے کرنے سے پہلوتہی کرتے ہوئے مولانا بدایونی نے فرمایا :

"میں کیونکر کہہ سکتا ہوں کہ آنے والے علماء اس پر راضی ہوں گے یا نہیں۔"[3]

رئیس وفد نے بڑی دل سوزی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :

"ایسا شخص کہ تحقیقِ حق سے راضی نہ ہو، آجائے تو شریک نہ کیجئے، نہ آیا ہو تو روک دیجئے"

اور ان (مولانا بدایونی) سے مزید کہا :

"آپ اپنی رائے تو لکھ دیجئے۔"[4]

---

[1] دوامغ الحمیر، ص ۴۸
[2] دوامغ الحمیر، ص ۴۸
[3] دوامغ الحمیر، ص ۴۸
[4] دوامغ الحمیر، ص ۴۸

اِس پر جناب مولوی عبدالودُود صاحب نے بھی اُنہیں یہی رائے دی کہ انہیں تحریر دے کر ان سے بھی تحریر لے لیجئے، حالانکہ وفد مطبوعہ تحریر بابت طلب تعیّنِ وقت و مقام لے کر گیا تھا.

اِس کے باوجود اِتمام حُجّت کے طور پر مولانا حسنین رِضا خاں رئیس وفد طلب مُناظرہ نے حسبِ ذیل الفاظ تحریر فرما دیئے :-

"مَیں جماعت رِضائے مُصطفےٰ کی طرف سے بحیثیتِ ناظم، تحقیقِ حق کے لیے جمعیّتُ العلماء کی دعوت کو قبول کرتے ہُوئے تعیّنِ وقت چاہتا ہُوں اُمید (ہے) کہ ناظمِ جمعیّتُ العُلَماء مُجھے مطلع فرمائیں گے۔"[1]

مولانا عبدالماجد بدایونی نے مندرجہ ذیل تحریر لکھ دی :-

"الحمدللہ تحقیقِ حق امرِ نیک و ضرُوری و قابلِ شکر و لائقِ قبول (ہے) فقیر کی ذاتی رائے ہے اور ذاتی طور پر حاضر بھی ہے کہ ضرُور ایسا ہونا چاہیئے. ارکان اصلیہ جمعیّۃُ العُلَماء بھی اِمرُوز فردا میں تشریف لا رہے ہیں، قطعی فیصلہ اور جماعتی امر طے ہو سکے گا. اراکین و ذمّہ دارانِ جماعت رِضائے مُصطفےٰ (عِلاوہ ناظم صاحب) کے اَسماء سے اِطّلاع ملنی و جماعتی تحریر اُس وقت آنی چاہیئے جب کہ ناظم صاحب (جماعت) رِضائے مُصطفےٰ نے کہا کہ "مَیں مولوی امجد علی صاحب کی طرف سے آیا ہُوں" اور آج ھی مولوی امجد علی صاحب کی طرف سے اشتہار مطبوع بعنوان "اِتمام حُجّت تامّہ" مولانا عبدالباری و مولانا ابُوالکلام صاحب کے اَسماء کے ساتھ بھی بصُورت خطاب دیکھا گیا. پس نہایت موزُوں

---

[1] دوامغ الحمیر، ص ۴۹

ہے کہ یہ تحقیق حدِ مرام تک پہنچ جائے۔

فقط

فقیر عبدالماجد القادری البدایونی" [1]

شب یازدہم رجب المرجب

مقامِ غور ہے کہ ناظمِ استقبالیہ کی جانب سے شائع شدہ اشتہارات جن میں جو شیلے ادعا چھاپے گئے، مسلمانانِ اہلِ سنّت کو منکرین اور منافقین کہا گیا، اور جمعیۃ العلماء کے جلسہ کا مقصد ان پر اتمامِ حجّت بتایا گیا، علماءِ اہلِ سنّت کو دعوت دی گئی کہ مسائلِ حاضرہ کا قطعی و اجتماعی طور پر فیصلہ کیا جائے۔ مگر جب علمائے اہلِ سنّت نے دعوت کو قبول کرتے ہوئے تعیّنِ وقت اور مقام کے لئے اراکینِ جمعیت سے رجوع کیا، ان کے ہاں جا کر تحقیقِ حق چاہی تو یہ لوگ کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ مولوی عبدالودود ناظمِ استقبالیہ جمعیۃ العلماءِ ہند نے اپنی عاجزی ظاہر کر دی کہ مجھے تعیّنِ وقت و مقام کا اختیار نہیں، سارا بار مولانا عبدالماجد بدایونی کے سر ڈالتے ہیں کہ وہ جمعیۃ العلماءِ ہند کے ناظمِ اعلیٰ ہیں اور یہاں بریلی میں موجود ہیں۔ مولانا بدایونی باوجود ناظمِ اعلیٰ ہونے کے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہیں، اور وہ ساری ذمہ داری ارکان اصلیہ پر ڈالتے ہیں۔ نہ معلوم "ارکانِ اصلیہ" کون ہیں؟ حقیقت میں اکابرِ جمعیۃ العلماءِ ہند چاہتے ہیں کہ ساری کارروائی یک طرفہ ہو، یعنی ہماری طرف سے دعوتِ مناظرہ بھی قائم رہے اور مناظرہ بھی نہ ہونے پائے تاکہ ہماری غیر اسلامی حرکات پر پردہ پڑا رہے۔ حیلے حوالے سے ہندو راج کی خاطر طرح طرح سے بے طرح اسلام کو ذبح کیا جائے۔" (ملخصاً)

یہ سب کچھ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت ہو رہا تھا۔ کیا جلسہ کے اعلان

---

[1] دوامغ الحمیر، ص ۴۹

کے اشتہارات اور مقام و تاریخ کا تعیّن جمعیّت کے "ارکان اصلیہ" کی رضامندی کے بغیر چھاپے گئے، کیا "منکرین و منافقین" پر اتمام حجّت کا اِدّعا ان کی اجازت کے بغیر کیا گیا؟

مولانا محمد امجد علی رضوی، صدر شعبہ مقاصد علمیہ جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے "اتمام حجّت تامّہ" کا اشتہار جمعیّت العلماء ہند کے اکابر کو مخاطب کر کے شائع ہوا، اس میں جمعیّت کے انہی ارکان اصلیہ کے علاوہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کے اسماء سرِفہرست تھے۔ مولانا بدایونی نے مناظرہ سے اپنی رضامندی کا اظہار رکھ کر دیا، اس کے باوجود تعیّنِ وقت اور مقام سے اطّلاع نہیں دے رہے۔ شاید انتظار اس بات کا ہے کہ جمعیّت کے اراکین اصلیہ (؟) مل کر کچھ گرہ کشائی کریں۔

۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ/۲۰ مارچ ۱۹۲۱ء کی ساری کاروائی، وفد جماعت رضائے مصطفےٰ اور اراکین جمعیّت العلماء کی گفتگو اور تعیّنِ وقت و مقام کے شدید تقاضوں کی کارگزاری، ۱۱ رجب کو ایک اشتہار بنام "شہر کے معزّزین اہلِ سنّت کی توجّہ ضرور ہے"[۱] —— اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس اشتہار میں حسبِ اصرار اراکین جمعیّت العلماء، جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے گفتگو کرنے والے علماء کے اسماء گرامی کا اعلان کیا گیا حالانکہ مذکورۃ الصّدر اشتہار بنام "اتمام حجّت تامّہ"، مولانا محمد امجد علی رضوی کی طرف سے شائع ہوا، جس کا صریح مفہوم یہ تھا کہ مولانا موصوف ہی نے مناظرہ کا چیلنج قبول کر کے اپنے سوالات شائع کیے ہیں اور وہی اہلِ سنّت کی

---

[۱] یہ اشتہار دوامغ الحمیر مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۷۴ پر موجود ہے۔

طرف سے مُناظر ہوں گے۔ مزید برآں جماعت رضائے مصطفےٰ کے مذکورہ وفد نے بھی ترک مُوالات کے مُخالف عُلماءِ اہلِ سُنّت کی طرف سے مُناظرہ کرنے کی ذمہ داری قبُول کی۔ اِس کے باوجُود اراکین جمعیتُ العُلماء کے بے جا اصرار پر جماعتِ رضائے مُصطفےٰ کا مؤقف پیش کرنے اور مسائل حاضرہ میں مُسلمانانِ ہند کی راہنمائی اور مُشترکہ لائحۂ عمل اختیار کرنے کے لیئے جن عُلماء کے اسماءِ گرامی کا اعلان کیا گیا وُہ یہ ہیں :۔

۱۔ مَولانا مُحمّد امجد علی رضوی (خلیفہ امام احمد رضا) صدر جماعت رضائے مُصطفےٰ۔

۲۔ مَولانا حسنین رضا خاں قادری (خلیفہ امام احمد رضا) ناظمِ اعلیٰ جماعتِ رضائے مُصطفےٰ۔

۳۔ مَولانا ظفر الدین رضوی[1]، صدر مُدرس، مدرسۂ خانقاہ شہسرام (خلیفہ امام احمد رضا خاں)

---

[1] ملکُ العُلماء حضرت مولانا شاہ مُحمّد ظفر الدین قادری بن ملک عبدُالرزّاق، رسُول پُور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صُوبۂ بہار میں ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہُوئے۔ ان کے اساتذہ میں اگر ایک طرف حضرت مولانا وصی احمد مُحدّث سُورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپُوری رحمہما اللہ تھے تو دُوسری طرف مولانا سیّد بشیر احمد علی گڑھی اور حامد حسن رام پُوری کے اَسمائے گرامی بھی نظر آتے ہیں، لیکن جس ذات گرامی سے انہوں نے سب سے زیادہ علمی فیُوض حاصل کئے وُہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی صُحبتِ بابرکت میں وُہ برسہا برس رہے۔ مولانا ظفر الدین کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ "انہوں نے کوئی پچپن سال تک مُسلسل تدریس کا سِلسلہ قائم رکھا اور بریلی، آرا، سہسرام، پٹنہ اور کٹھیار (پورنیہ) کے مدارس میں ہزاروں طالبانِ علم کو اپنے علمی فیُوض سے سیراب کیا۔ وُہ آریہ سماجیوں اور مسیحی مُبلغین وغیرہم سے مُناظرے کے لیئے دُور دراز کے علاقوں میں مَدعُو کیے جاتے تھے۔" علم ہیئت و تَوقیت اور ریاضی وغیرہ بہت سے عُلُوم میں یکتاءِ رُوزگار تصوُّر کیے جاتے تھے۔ مُدیر دبدبۂ سکندری رامپُور نے اُن کے مُتعلق لکھا :

"اِس وقت آپ ایسی علم ہیئت و حرُوف و اعداد کی ماہر دُوسری ہستی

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

کُل ہند میں ہماری معلومات و نظر میں نہیں ہے"۔ (دبدبۂ سکندری رام پور ۳ - جولائی ۱۹۴۶ء، جلد ۸۳ - شمارہ ۲۵ اور ۲۶، صفحہ ۲)

ملکُ العُلماء کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد ستر (۷۰) سے زائد ہے (جن کی تفصیل "حیات ملکُ العُلماء" مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء میں دیکھی جا سکتی ہے) کچھ کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم احادیث پر مشتمل صحیحُ البہاری ہے، اب حیدر آباد (سندھ) سے شائع ہوئی ہے۔ ترکِ مُوالات کے مسئلہ پر اُن کے غیر مطبوعہ رسالہ بنام تاریخی ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ (۱۳۳۹ھ) کے تعارف میں ڈاکٹر مختار الدین احمد سابق صدر شعبۂ عربی، مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ رقمطراز ہیں: "۱۹۲۰ء میں برطانوی حکومت سے ترکِ مُوالات کی تحریک کا شور پورے ہندوستان میں گُونج رہا تھا۔ اس کے رَد میں یہ رسالہ تصنیف ہُوا جس میں اس تحریک کے مُضر اثرات کی نشاندہی کی گئی تھی، جو بعد کو صحیح نکلی۔ اس میں مسئلہ خلافت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جس کا اس زمانے میں بہت زور تھا۔ فاضل بریلوی رحمۃُ اللہ علیہ مصنّف علّام کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا رسالہ اب تک نہ دیکھ پایا، مُتفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے جزاکُم اللہ تعالیٰ خیراً کثیرا۔ اچھا ہے، مگر مشائخ بہار کی طرف سے یہ تاویل کہ انہوں نے کوئی دُنیوی کام سمجھ کر اتباع رائے مُشرک جائز رکھا ہے، میری سمجھ میں نہ آئی۔ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مُقدسہ کی حفاظت جن کا بس رواں گاندھی کو ادّعا ہے، کیا کوئی دُنیوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اُونچے اُڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے مُسلمان ہی نہیں تو اسے نہ صرف کارِ دین بلکہ ضروریاتِ دین جانتے ہیں۔ بہر حال اسے دیکھ کر اللہ چاہے تو جلد واپس کرنے کا ارادہ ہے"۔ اس کا قلمی نسخہ بخط مُصنّف محفوظ ہے۔

علم و فضل کا یہ چراغ ۱۹ جُمادی الاُخریٰ ۱۳۸۲ھ / ۱۸ - نومبر ۱۹۶۲ء کو شب دُوشنبہ ذکرِ جہر اللہ اللہ کرتے ہُوئے گُل ہُوا۔ دسویں گیارہویں صدی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں (مُتوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے مُتصل شاہ گنج کے قبرستان میں مدفون ہُوئے۔ امام احمد رضا آپ کو فاضلِ بہار لکھتے تھے، یہ کیسا اتفاق ہے کہ یہی لقب "فاضلِ بہار" آپ کی تاریخ رحلت ہے۔ جناب ابو الطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور نے درج ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا ؎

آج ظفر الدین بہاری کا فدا سالِ وصال
کر رقم تو "نائب احمد رضا بدر جہاں"
۱۳ ھ ۸۲

۴۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ امام احمد رضا) [1]

جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے گفتگو کے مجاز علماء کے اسماء پر مشتمل اشتہار ۱۲ ر رجب کو چھپ کر شائع ہوا۔ باوجود بپیہم تقاضوں کے جمعیت کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ بڑھتی ہوئی عوام کی پریشانی کو کم کرنے اور اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کے لیئے ۱۳ ر رجب ۱۳۳۹ھ/ ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفےٰ نے ایک خط بعنوان "انوارِ سرکار رسالت" جمعیت العلماء ہند کے جلسہ عام میں بھیجا۔ خط کی نقل درج ذیل ہے :-

"جناب مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلی و عبدالماجد صاحب بدایونی و مسٹر ابوالکلام صاحب آزاد! آپ کی طرف سے دو اعلان شائع ہوئے کہ یہ جلسہ اتمام حجت کے لیئے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق کو اس میں آنے اور آپ صاحبوں سے جواب لکھوانے اور ان پر رد و کد کو حد تک پہنچانے کی اجازت آپ دیتے ہیں۔ اگر اہلِ حق کو ان باتوں کی اجازت نہ ہو تو کیا اتمام حجت جلسہ کی دیواروں پر کیا جائے گا۔ مولانا مولوی امجد علی صاحب [2] ستر سوال

---

[1] صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (م- ۱۹۴۸ء) ایک وقت تک ابوالکلام کے اخبار "الہلال" میں مضامین لکھتے رہے، لیکن جب ابوالکلام نے سوادِ اعظم کے عقائد، اور اپنے والد مولانا خیرالدین کے مسلک کے برعکس ہندوؤں کی اقتداء میں اپنی زندگی وقف کر دی تو مولانا موصوف بھی باقی علماء اہل سنت کی طرح ان کے مقابل آگئے
تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو: تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور (انڈیا) ۱۳۹۱ھ

[2] دوامغ الحمیر، ص ۵۰

بعنوان "اتمام حجت تامہ" ۱۳۳۹ھ ارسال فرما چکے، اُس پر آپ کی طرف سے اور نام طلب کئے گئے۔ جناب مولانا مولوی ظفر الدین و جناب مولانا مولوی نعیم الدین صاحب و جناب مولانا مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ناموں کی اِس طرف سے تعیین کی گئی۔ اُمید کہ وقت سے مطلع فرمائیے اور بغیر بات صاف ہوئے بریلی سے تشریف نہ لے جائیے۔ اپنی ہی اُٹھائی ہوئی آواز سے اغماض نہ فرمائیے۔

۱۲، رجب ۱۳۳۹ھ   اراکین جماعت رضائے مصطفٰے (علیہ فضل الصلوٰۃ والثناء)[1]

جب خط مذکور لکھا جا چکا تو اس وقت مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (خلیفہ امام احمد رضا) صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے آئے، انہوں نے بھی اِس خط پر بطور سائل مناظرہ دستخط فرمائے۔

اراکین جماعت رضائے مصطفٰے کا یہ چوتھا شدید تقاضا تھا۔ اس سے پہلے مولانا عبدالماجد بدایونی، ناظم جمعیت العلماء ہند اور مولوی عبدالودود، ناظم استقبالیہ تحقیق حق سے عمداً حیلے حوالے سے تحاشی فرما چکے تھے۔ اِس لیے جماعت رضائے مصطفٰے کے اراکین ابوالکلام آزاد کی آمد کے منتظر تھے۔ شاید ان کی آمد پر ہی تحقیق حق کی راہ نکل سکے۔ چنانچہ علامہ ابوالکلام آزاد جب بریلی پہنچے اسی وقت انہیں جماعت رضائے مصطفٰے کی طرف سے مناظرہ کے لیئے تعین وقت و مقام کے تقاضوں کے تینوں اشتہار

"اتمام حجت تامہ"

"شہر کے معززین اہل سنت کی توجہ ضرور ہے"

"انوار سرکار رسالت"

---

[1] دوامغ الحمیر ص ۵۰ اور ۵۱

پہنچائے گئے[۱] تاکہ مطالعہ کے بعد ان کے جوابات کے لیئے ان کو کافی وقت مل سکے نیز وہ اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ کو جلسہ میں حاضر ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت دیں۔

ستر سوالات (اتمام حجت تامہ) اور دیگر خطوط اور اشتہارات کے جواب میں علامہ آزاد کو اصولاً اور اخلاقاً اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ کو وقت و مقام مناظرہ سے مطلع فرمانا چاہیئے تھا۔ مگر انہوں نے ان باتوں سے اعراض اور قطعی گریز کرتے ہوئے ایک نئی چال چلی، اور ایک عجیب تحریر ۱۳ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے نام بھیجی جس میں جدید فرضی اور اختراعی امور پہ بحث کے لیئے فاضل بریلوی کو مناظرہ کے لیئے دعوت دی[۲]، اس خط میں جن امور کو محلِ نزاع ٹھہرایا گیا ان میں صیانت مملکت اسلامیہ،

۱ے دوامغ الحمیر، حاشیہ ص ۵۵ اور روداد مناظرہ حاشیہ ص ۱۸

۲ے برا ہو بغض و عناد کا، حسد میں آکر بعض "مورخین" تاریخی واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا کوئی گناہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ تاریخی واقعات کو مسخ کرنا بددیانتی اور قلم کی عظمت کا انکار ہے، یہ ایک ایسا جرم ہے جسے ہر دور اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے برا سمجھا مگر کانگرسی ذہنیت کے علماء نے مناظرہ بریلی کی عبرت ناک شکست کا بدلہ لینے کی ناپاک کوشش یوں کی کہ واقعات کو ہی مسخ کر کے پیش کیا۔ ابوالکلام کے معتمد خصوصی، مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مناظرہ بریلی کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کلکتہ سے مولانا (ابوالکلام آزاد) کے ساتھ میں بھی بریلی پہنچا۔ رات کو اجلاس تھا۔ مگر شام ہی سے خبریں آنے لگیں کہ کانفرنس ہونے

(باقی برصفحہ آئندہ)

تحفظ مقاماتِ مقدسہ، ترکِ موالات اور اعانت واستعانت جملہ مشرکین و کفار کی حرمت وغیرہ امور شامل تھے جو محض بے بنیاد اتہامات و صریح مغالطہ تھا، ابوالکلام آزاد کا مذکورہ خط درج ذیل ہے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بریلی۔ ۱۳ / رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسئلہ تحفظ و صیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات واعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات

(باقی برصفحہ آئندہ)

نہیں پائے گی۔ احمد رضا خاں تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تو موجود ہیں ــــــ"

ہفت روزہ چٹان، لاہور شمارہ ۶ مارچ ۱۹۶۱ء ص ۱۵

* غور طلب امر یہ ہے کہ جناب ملیح آبادی کے پیر و مرشد (ابوالکلام) تو مولانا احمد رضا خاں کے نام رفع شکوک اور طلب مناظرہ کا خط لکھ رہے ہیں ادھر ابوالکلام کے مرید صادق ملیح آبادی مولانا امام احمد رضا کو "مرحوم" بیان کر کے مناظرہ کی بساط ہی الٹ دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ اور جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس، جس میں مناظرہ وقوع پذیر ہوا، ۱۲، ۱۳، ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۲، ۲۳، ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو منعقد ہوا۔

ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

نوٹ: مولانا آزاد کے دست راست اور معتمد خاص عبدالرزاق ملیح آبادی (ف ۱۹۵۹ء) نے فاضل بریلوی سے متعلق جو تاریخ اور واقعہ گھڑا ہے، اس پر ہندوستان کے بعض فضلاء نے بھی تبصرہ کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

مشہور ہیں[۱]، چونکہ جمعیت العلماء کا جلسہ یہاں منعقد ہو رہا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہم یہاں پر پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم شعبۂ تقابل ادیان (اسلامک اسٹڈیز) ہمدرد یونیورسٹی دہلی کے "مقالہ امام احمد رضا اور مولانا ابو الکلام آزاد کے افکار" سے مندرجہ ذیل اقتباس نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

"اب آپ انصاف سے بتائیں کہ ایسے مورخین جنہیں حقائق و معارف کا قطعاً علم نہ ہو اس طرح کی بے سر و پا باتیں لکھ کر مصنفین کی فہرست میں اپنا نام شامل کرنا اور بلا وجہ اپنی اہمیت کسی کے سر تھوپنا کہاں کی دیانت ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کی اس تحریر اور ان کے معتمد خاص ملیح آبادی کے مذکورہ بیان" احمد رضا خان تو بے شک مرحوم ہو چکے ہیں مگر ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں تو موجود ہیں۔" کے تناظر میں تبصرہ کرتے ہوئے مولانا یٰسین اختر اعظمی رقمطراز ہیں

"زندہ درگور کرنا" شاید اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ خدمات جلیلہ ہیں جن کے صلے میں ایسے مورخین کو تاریخ دانی بلند نظری اور روشن خیالی کے تمغہ جات پیش کیے جاتے ہیں جو یقیناً ایک المیہ سے کم نہیں اور اصحاب عدل و انصاف کی گردنیں اس پر شرم سے جھک جانی چاہئیں۔"

مولانا ابو الکلام آزاد کی رفاقت میں اڑتیس (۳۸) سال گزارنے والے ذکر آزاد کے مصنف عبد الرزاق ملیح آبادی کی حقائق سے غفلت کی یہ ایک مثال ہے۔ اس طرح اور بھی باتیں ہیں جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا واسطہ نہیں مگر انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ انہیں اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔"

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ذکر آزاد مرتبہ عبد الرزاق ملیح آبادی مطبوعہ دفتر" اخبار آزاد ہند" کلکتہ ۱۹۶۰ء، مکاتیب ابو الکلام آزاد مرتبہ ابو سلمان شاہ جہاں پوری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

۱ے محولہ بالا عریضہ جو ڈپلومیسی سے خالی نہیں تھا کی عبارت کی روشنی میں پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں :

"جس کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہو سکتا ہے مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکی کی مدد و اعانت سے انکار تھا بلکہ اُن کی جماعت رضائے مصطفےٰ نے خود اس کیلئے کوشش کی۔"

("گناہ بے گناہی" مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء۔ ص ۵۸)

یہی مسائل اس میں زیر نظر و بیان ہیں۔ اس لئے میں جناب کو توجہ دلاتا ہوں کہ رفع اختلافات اور مذاکرہ و نظر کا یہ مناسب و بہتر موقع پیدا ہو گیا ہے۔ جناب جلسہ میں تشریف لائیں اور ان مسائل کی نسبت بطریق اصحاب علم و فن گفتگو فرمائیں۔ میں ہر طرح عرض و گزارش کے لئے آمادہ و مستعد ہوں۔

فقیر

ابوالکلام احمد کان اللہ لہٗ [۱]

مذکورہ بالا خط کو استقبالیہ کمیٹی جمعیۃ العلماء ہند نے درج ذیل نوٹ کے ساتھ اشتہار کی شکل میں شائع کیا۔

"بجواب تحریر جماعت "رضائے مصطفےٰ" موصولہ امروزہ مندرجہ بالا خط آج ۱۳ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کی شام کو جناب مولوی احمد رضا خان صاحب کی خدمت میں بھیج دیا گیا ہے۔ اب عام اطلاع کے لیے اس کی نقل شائع کی جاتی ہے" [۲]

ابوالکلام آزاد کے خط اور جمعیۃ العلماء کی استقبالیہ کمیٹی کے تازہ اشتہار نے کمال تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنے ہی سابقہ دعووں سے پہلوتہی کی۔

اولاً: جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس بریلی کے انعقاد سے قبل شائع ہونے والے متعدد اشتہارات میں جلسہ ہٰذا کا مقصد "مخالفین ترک موالات اور موالات نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمام حجت کیا جائے گا" بتایا گیا، لیکن اس آخری خط میں

---

[۱] مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتبہ ابوسلمان شاہ جہان پوری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۳

[۲] ایضاً، ص ۱۶۲

محل نزاع، تحفظ مقامات مقدسہ اور صیانت سلطنت اسلامیہ وغیرہ امور بتائے گئے۔
حالانکہ امور مذکورہ کے علاوہ ترک موالات وغیرہ مسائل حاضرہ پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فتاویٰ اور علمی خدمات اس سے آٹھ سال قبل شائع ہو چکے تھے۔
جناب سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی لکھتے ہیں:

"آج (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان (۱۲-۱۹۱۱ء) کے موقع پر انہوں (امام احمد رضا) نے سلطنت اسلامی و مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع ہیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانت اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔"

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

(ا) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح از امام احمد رضا مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲
(ب) اخبار دبدبۂ سکندری رامپور، ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد کے پرانے فائل
(ج) دواہم فتوے از امام احمد رضا، مولوی اشرف علی تھانوی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء
(د) حیات صدر الافاضل از مفتی غلام معین الدین نعیمی مطبوعہ لاہور
(ہ) اعلیٰحضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت از سید نور محمد قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء
(و) ماہنامہ المیزان بمبئی (امام احمد رضا نمبر) مارچ ۱۹۷۶ء
(ز) برکات مارہرہ و مہمانان بدایوں از شاہ اولاد رسول محمد میاں مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء
(ح) اوشا سانیال، Devotional Islam and Politics in British India: Ahmad Riza Khan Barelwi and his Movement (1870-1920) Delhi: Oxford University Press, 1996.

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے انہوں نے کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں، یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے۔" [1]

آگے چل کر آپ اُن کی بروقت کوششوں بلکہ پیش از وقت حفاظتی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے زیادہ اور کون سے پہلے دن سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کوشش کرتے کہ خلافت کمیٹی والے تو آج حمایت خلافت و حفاظت سلطنت اسلامی کا نام لینے بیٹھے ہیں جب کہ سلطنت اسلامی کا خاتمہ ہو چکا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اُس وقت سے کوشش کی جب اس موجودہ مصیبت عظمیٰ کا خیال بھی دلوں سے دور تھا اور جنگ بلقان (جو بلحاظ حالات مابعد اس مصیبت عظمیٰ کی تمہید و ابتدا ثابت ہوئی) کے ھی زمانہ

---

[1] برکات مارہرہ و مہمانان بدایون از سید محمد میاں مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء ص ۱۱ و ۱۲

[2] حقیقت حال کے برعکس یہاں بعض معاندین و مخالفین کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے پر مبنی الزام تراشیوں سے متاثر ہو کر اور مندرجہ بالا تاریخی حقائق و شواہد کو یکسر نظر انداز کر کے صرف یہ مشہور کر دینا کہ مولانا احمد رضا بریلوی تحریک خلافت کے مخالف تھے۔ یہی نہیں بلکہ خلافت کو شریعت اسلامی کا ایک اہم ادارہ تسلیم کرنے سے گریز کرتے رہے اور ترکوں کی امداد کے بھی خلاف تھے۔" (شاہراہ پاکستان، ص ۳۳۲)۔ "یہ اندازِ فکر نہایت غیر مؤرخانہ اور غیر معقول ہے کم از کم پڑھے لکھے انسان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ حقائق کو جانے بغیر غلط فہمیوں کا نہ صرف یہ کہ شکار ہو جائے بلکہ مبلغ بھی بن جائے ـــــ اس اندازِ فکر کی اصلاح ہونی چاہیئے۔" (مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ "تنقیدات و تعاقبات" مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور سنہ ۱۹۸۸ء ـ ص ۱۰۵)

سے حمایت و اعانت سلطنت اسلامی میں اپنی رائے و مسلک قولاً و عملاً ظاہر کر دیا۔ عوام کو رغبت دلانے کے لیئے بریلی میں جلسۂ عام میں خود چندہ دیا۔ حمایت سلطنت اسلامی و اعانت مظلومین ترک کی نافع و مفید تدابیر آگاہی عام کے لیئے شائع کیں۔" [۱]

---

[۱] برکات مارہرہ و مہمانان بدایوں مرتبہ سید محمد میاں، ص ۱۲ اور ۱۳

نوٹ: سلطنت عثمانیہ کے تحفظ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیئے امام احمد رضا نے "انصار الاسلام" کے نام سے ایک جماعت بھی قائم کی۔ اس کے شاندار اجلاس بتاریخ ۲۲-۲۳-۲۴ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ/یکم، ۲، ۳ مئی ۱۹۲۱ء منعقدہ بریلی (جن میں مسئلہ ترک موالات، سلطنت اسلامیہ ترکی کی اعانت، اماکن طاہرہ کی حمایت و حفاظت اور ترکوں کی مدد کا موضوع بالخصوص اور مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے داؤ سے بچانے کے علاوہ مسلمانوں کو اُن کی اخلاقی، سماجی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف راہنمائی کا موضوع بالعموم رہے) میں منظور کی جانے والی ایسی تجاویز جن سے ان حضرات کی سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت کا پتا چلتا ہے، کا ذیل میں متن پڑھ لیجئے:-

۱. علمائے اہلسنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اُٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔

۲. یہ جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت و ارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لیئے بہم پہنچائے۔

۳. یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیئے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفود کی ذمہ داری کرے۔

۴. یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں مطابق

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

شرع شریف فیصل کریں اور کچہریوں کی مقدمہ بازی سے جو فریقین کے لئے تباہ کُن ہوتی ہے، بچیں ۔

۵. یہ جلسہ اپنے مُسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اُس کے ذرائع کی توسیع اور حتّی الامکان اُن صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجّہ دلاتا ہے جن سے مُسلمان کبھی کسی غیر مُسلم تجارت کے مُحتاج نہ رہیں ۔

۶. یہ جلسہ اپنے مُسلمان بھائیوں کو اسلامی بنک کھولنے پر توجّہ دلاتا ہے تاکہ مُسلمان غیر مُسلموں کی دست بُرد سے بچیں ۔

۷. یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجّار اور رُؤساء سے ایک اِسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بماہ یا سال بسال کُچھ رقم جمع ہوتی رہے اور جو وقتاً فوقتاً مُسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانتِ اِسلام و ضروریاتِ اِسلام میں کام آئے ۔

۸. یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقے ناجائز راستے مُضر و تیرے بغلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں اُن کی شناعت پر مُسلمانوں کو تحریراً و تقریراً مُطلع کرے ۔

(رُوزانہ پیسہ اخبار لاہور، ۱۳ مئی ۱۹۲۱ء : ص ۳، کالم ۲ بعنوان "جماعتِ انصارُ الاِسلام")۔

ماہنامہ السّوادُ الاعظم، مراد آباد شعبان ۱۳۳۹ھ / مئی ۱۹۲۱ء ص ۷-۸)

پروفیسر مُحمّد مسعود احمد نے اپنی کتاب "تحریکِ آزادیٔ ہند اور السّوادُ الاعظم" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) میں جماعتِ انصارُ الاسلام اور اس دَور میں عُلمائے اہلِ سُنّت کی سرگرمیوں (اور اس سلسلے میں کی جانے والی مُخالفت جس میں قادیانی اور حضرات دیوبند پیش پیش تھے) کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور تحریکِ خلافت کے باب میں لکھا ہے کہ ـــــ "اس جذباتی دَور میں اہلِ سُنّت و جماعت پر یہ اِلزام لگایا گیا کہ وُہ تحفّظِ خلافت اور حفاظتِ اماکنِ مُقدّسہ کے خلاف ہیں حالانکہ حقیقت حال کچھ اور تھی۔ فی نفسہٖ مُخالفت نہ تھی۔ البتہ طریقہ کار میں مُخالفت

تھی ...... اس جذباتی دور میں معقولیت اور شریعت کی بات سُننے کے لئے بہت کم لوگ تیار تھے کیونکہ سوءِ اتفاق کہ مخالفین کے رہبر بھی علماء ہی تھے ——— فرق یہ تھا کہ وہ کفار و مشرکین کے ساتھ تھے اور یہ علیحدہ اور یہی بہت بڑا فرق تھا جو اُس وقت محسوس نہیں کیا گیا لیکن آج کا پاکستانی مؤرخ اس کو ضرور محسوس کرے گا" مذکورہ بالا تجاویز پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں :-

"تقریباً تمام ہی تجاویز ان ہدایات پر مشتمل ہیں جو ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ارشاد فرمائی تھیں .... اگر تاریخی، سیاسی اور معاشی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تجاویز نہایت ھی وقیع ہیں ـــ اسلامی بینک قائم کرنے کی تجویز نصف صدی پہلے علمائے اہلِ سُنّت نے پیش کی تھی، عالمِ اسلام آج اس پر عمل پیرا ہے ـــ ان تجاویز میں عقل و ہوش بھی ہے اور درد و سوز بھی ـــ سمجھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں ـــ"

——— لیکن آج یہ کہنا کہ " ہندوستان کی ریاست میں جب بھی مسلمانوں کو متحد کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا تو ان کے معاشی، سماجی اور معاشرتی مسائل کی بنیادوں کو یکجا کرنے کی کوششیں نہیں ہوئیں اور نہ ہی ان مسائل کو زیادہ اہمیت دی گئی " (مبارک علی، ڈاکٹر۔ "المیہ تاریخ" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۲۶۷) "تاریخ اور مطالعہ پاکستان" سے محض بے خبر اور ناآشنا ہونا ہے۔

نیز دیکھیے۔ مُسلم بی اے، مولانا محمد بخش۔ " مقروض قوم" مطبوعہ انجمن خادم المسلمین لاہور ۱۹۳۵ء

(قادری)

یا اللہ جل جلالہٗ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بحمدہٖ تعالیٰ

مسلمانان ہند کی ترقی و فلاح کی سچی تدبیریں
مجلس علمائی اہل سنت و جماعت کی باوقعت تلقین
مسمّٰی بہ تاریخی

تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح

سنہ ۱۳۳۱ھ

جس میں امور ذیل پر مختصر مگر کمال مفید و متین بحث ہے

(۱) مسلمانوں کے تنزل و ترقی کے اسباب (۲) مسلمانوں کو اب کیا کرنا چاہیے (۳) ان تدبیروں کی اجرا کس طرح ہو (۴) یورپ کا بائیکاٹ مسلمانوں کو مفید ہے یا مضر (۵) ہندی مسلمانوں کی حالت اور ترقی معکوس کی الٹی مت (۶) ترقی صاحب کار از اور ان کا حال و استقبال۔ (۷) ترکی امداد کے طریقے۔

حسب فرمائش

حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت محب ملت جناب سید
محمد معصوم صاحب جیلانی قادری نوری سلمہ المولی القوی

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور

عکس سرورق "تدبیرِ فلاح و نجات و اِصلاح" طبع پاکستان س۔ن
امام احمد رضا کا مذکورہ بالا رسالہ بنام تاریخی "تدبیرِ فلاح و نجات و اِصلاح"
(سنہ ۱۳۳۱ھ) مسلمانان برِ عظیم کی راہنمائی کے لیے سنہ ۱۹۱۲ء میں کلکتہ اور حسنی پریس
بریلی سے بیک وقت شائع ہوا۔ (قادری)

بحمدہٖ تعالےٰ

یہ نافع عجالہ مختصر رسالہ جسمین روشن بیان واضح تبیان کہ خلافت اسلامیہ میں شرط قرشیت اجماعی سلف وخلف مذہب اہلسنت۔ اوس کا اسقاط خوارج وروافض وغیرہم اہل بدعت کا مت اور اونکی سنت سلطنت اسلامیہ ومقامات مقدسہ کی حمایت وحفاظت کی بابت علمائے اہلسنت کی مفید شرعی تدابیر وقولاً وعملاً ارشاد وہدایت وکفر وارتداد کی آندھیون مین خود ثابت قدم رہنا اور مسلمانون کے ایمان بچانا۔ زندقہ والحاد کی گھنگھور گھٹاؤں مین گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت پس روانِ ہنود کو شاہراہ اسلام وصراط مستقیم سنت پر لانیوالی مشعل نورِ شریعت دکھانا۔ اہم ترین نفس اسلام کی خدمت وغیرہا مساعی جمیلہ علمائے کرام اہلسنت کا اجمالی تذکرہ اور پس روان گاندھی کی مذہب سے آزادی وبیقیدی پر سرسری تبصرہ

مسمےٰ بنام تاریخی

برکات مارہرہ و دھمان بدایون

١٣٤٠ھ

یعنی والا حضرت بالا منزلت حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا مولوی حافظ سید شاہ اولادِ رسول محمد میان صاحب قادری برکاتی مارہری شاہزادۂ خاندان برکات ادامہ اللہ تعالیٰ بالفضائل والحسنات اور مولوی حبیب الرحمٰن بدایونی کے درمیان عرس نوری رجب ١٣٤٠ھ کے موقع پر مارہرہ مطہرہ میں جو مکالمہ ہوا اوسکی مفصل روداد مرتبہ حضرت موصوف دامت برکاتہم جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ علیہ الصلاۃ والثنا نے اپنے صرف سے

مطبع حسنی بریلی مین چھپوا کر شائع کیا

بار اول ١٠٠٠ — محصول ڈاک ۱ — قیمت فی جلد ۱

سرورق: "برکات مارہرہ و دھمان بدایون" مرتبہ اولادِ رسول محمد میان مطبوعہ بریلی ١٩٢٢ء

ثانیاً : ترکِ مُوالات سے مُتعلق مولانا امام احمد رضا کے فتاویٰ اس سے پہلے شائع ہوکر شہرت پا چکے تھے۔ اسی دَور کے ایک تازہ استفتاء کے جواب میں آپ نے ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ / ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو کُفار و مُشرکین کے ساتھ مُوالات و مُعاملت کے بارے میں تمام جُزئیات پر مُشتمل ایک فتویٰ لکھا۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ / ۱۰ مارچ ۱۹۲۱ء کو سو صفحات پر مُشتمل ایک مبسوط فتویٰ بنام "**المحجتہ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ**" منظرِ عام پر آیا جس میں کُفار و مُشرکین مُحاربین کے ساتھ مُوالات، مُعاملت، بِرّ و اقساط وغیرہ امور کی شرح و بسط کے ساتھ تفصیل لکھی۔ یہی وُہ رسالہ ہے جس میں امام احمد رضا قدس سرہٗ نے قرآن و حدیث اور ماضی کی روایات کی روشنی میں واضح طور پر بیان کیا کہ مُسلم ہندو اتحاد ناجائز اور نقصان دہ ہے۔ سیاسی، مُعاشرتی، مَعاشی اور تمدُّنی طور پر ہندوؤں کے ساتھ رابطہ قومی تشخص کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ انہی خیالات کی روشنی میں بعد میں اکابرِ ملت نے دو قومی نظریہ کا تصوّر پیش کیا۔

ا؎ ہندو کیا ہے؟ سمجھنے کے لیئے یہ رسالہ حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں نے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کے تاریخی نام سے مطبع حسنی، بریلی سے چھپوا کر اس کو شائع کیا۔ یہ پورا رسالہ مشہور مؤرخ رئیس احمد جعفری ندوی نے اپنی کتاب "اوراقِ گُم گشتہ" (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے جو بڑے سائز کے ۸۰ صفحات (۲۲۵ تا ۳۰۵) پر پھیلا ہوا ہے نیز تفصیل کیلئے دیکھیئے: روزنامہ نوائے وقت، لاہور ۲۰ ستمبر ۱۹۷۹ء ص ۱۱

بحمدہ تعالیٰ

حالات دائرہ پر دو ضروری فتوے

پہلا فتویٰ دربارۂ معاملت مجردہ کہ سوا مرتد ہر کافر سے جائز ہے

دوسرا فتویٰ مسمیٰ بنام تاریخی

المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ

جس میں دونوں آیہ کریمہ سورہ ممتحنہ کا نہایت نفیس و جلیل بیان اور اس فتوے کے سوا کہیں نہ ملیگا اور اس آیۃ میں ائمہ حنفیہ کا مسلک اور یہ کہ موالات مطلقاً ہر کافر سے حرام ہے اور یہ کہ وداد و اتحاد ہندو مسلم جو کیا جاتا ہے اور ان سے استعانت اور انہیں معابد و خلیفہ بنانا اور ان کا مساجد میں لیجانا خصوصاً واعظ بنانا سب حرام قطعی ہیں مسئلہ استعانت کی وہ تحقیق جلیل کہ اسی فتوے کا خاصہ ہے نیز ترک تعاون و امداد مدارس پر اجمالی تحقیقی بحث

ازافادات

مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت متع اللہ المسلمین بطول بقائہم

(باہتمام مولوی حسنین رضا خاں صاحب)

مطبع حسنی بریلی میں چھپا اور جماعت مبارکہ رضائے مصطفیٰ آنولہ نے اپنے صرف سے

شائع کیا

بار اول ۱۰۰۰ جلد — سرورق: رسالہ المحجۃ المؤتمنۃ مصنفہ امام احمد رضا مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء — قیمت ۱۲/

"المحجۃ المؤتمنہ" کی تالیف اور اشاعت اُن کی زندگی کے آخری ایام میں ہُوئی، عُمر کے آخری حصّہ کی علالت ونقاہت اور سابقہ واضح ہدایات کے پیشِ نظر کسی نئے بیان کی ضرورت نہیں تھی، تاہم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اہلِ سُنّت کے شاندار جلسہ مُنعقدہ ۱۱ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ / ۲۰ر فروری ۱۹۲۱ء بمقام بریلی ایک پیغام بھیجا۔ بوجہ علالت جلسہ میں بذاتِ خود تشریف نہ لا سکے، آپ کا پیغام جلسۂ عام میں پڑھ کر سُنایا گیا۔

اس پیغام کو آپ بھی پڑھ لیں :۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت ومولٰنا شاہ محمد احمد رضا خانصاحب دام ظلہم الاقدس کا مُبارک فرمان واجب الاذعان جو

شاندار جلسہ اہل سنت وجماعت واقعہ بریلی مسجد بی بی جی مین ۱۱ جمادی الاخرہ ۱۳۳۹ھ روز یکشنبہ کو ہزارون مسلمانونکے مجمع مین پڑھا گیا

حضرات اہل سُنت وجماعت السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر بوجہ علالت حاضر نہ ہوسکا میری تین تحریرین کہ شائع ہوچکی ہین اور اونمین سے دو کی اشاعت کو آٹھ آٹھ برس ہوچکے حاضر کیجاتی ہین وہ آپ حضرات کے سامنے پڑھی جائینگی اونکو بنظر غور استماع فرمائیے وہی میری رائے کی ترجمان ہین مین حضرات مقررین سے بھی درخواست کرتا ہون کہ اونکے تمام بیان میری انھین تحریرات کے دائرے مین رہین اگر اونھین اسکا لحاظ رہا بہتر ورنہ ان تحریروں کی نکلے باہر جو کچھ وہ فرمائین وہ اونکی ذاتی رائے ہوگی نہ فقیر کی آواز نہین مین اعلان کیساتھ کہہ چکا اور کہتا ہون کہ سلطنت اسلامیہ سلطنت بلکہ ہر جماعت اسلام ہر جماعت بلکہ ہر فرد اسلام کی خیرخواہی ہر مسلمان پر فرض ہے کونسا مسلمان ہوگا کہ اماکن مقدسہ کی حفاظت نہ چاہیگا۔ مگر دو باتون کا لحاظ لازم ہے اور اونکا ترک عقل ونقل دونون سے خروج۔ اول یہ کہ ہر فرض ہمیشہ بقدر قدرت ومشروط باستطاعت ہے، قرآن عظیم جابجا شاہد ہو کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زائد کسیکو حکم نہین دیتا۔ ایسی تحریکین کہ قدرت سے باہر ہین اور اونکا نتیجہ بیان کے مسلمانونکی تباہی ہو اسلام مین کی خیرخواہی نہین صریح بدخواہی ہے۔ دوم اسلام کی تائید کبھی اللہ وقرآن ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیٹھ دیکر نہین ہوسکتی مشرکین سے اتحاد اونسے وداد

اونسے استعانت و استمداد اونسے موافقت انقیاد جسکی ہوا چل آئی قطعی حرام و بیکسی اسلام ہے اور اوسکے سبب حرمین
سخت آفت وہابیہ دیوبندیہ کی مداخلت ہوا اونھوں نے جوش میں دیکھکر موقع پایا آمین (مطلب کی) شریک ہولیے
کل تک جو اونکو کافر بد دین جانتے تھے اونسے ملکر متحد ہوگئے اونکی کہتیں اونکی صدائیں اونکی تعظیمیں ہونے
لگیں۔ اسمیں سلطنت اسلامی یا اماکن مقدسہ کو فائدہ پہنچا تو معلوم نہ وہابیہ کو اس سے غرض۔ وہ تمام
اہل سنت کو مشرک جانتے ہیں سلطان اور عام ترکوں کو کیا مسلمان جانیں گے۔ وہ اماکن مقدسہ کو
کشرستان سمجھتے ہیں کیا اونکی حفاظت چاہیں گے یہ سب زعم باطل ہے۔ ہاں وہابیت کے پہنچے جمتے جاتے
ہیں اور دین کی سخت بربادی ہے۔ آنکھ کھولو اور دوست و دشمن کی تمیز کرو۔ دنیوی معاملت مطابق احکام
شریعت ہر کافر غیر مرتد سے جائز ہے اور موالات مسلمان کسی سے جائز نہیں یہاں اوس کا عکس ہو رہا ہے۔ آٹھ
برس ہوئے جب اس جنگ کا نام و گمان بھی نہ تھا فقیر نے فلاح مسلمین کی چار تدبیریں شائع کی تھیں امید
کہ اونپر غور فرما کر اونکے اجرا میں سعی کریں وباللہ التوفیق والسلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ [۲]

---

[۱] "ماہنامہ السّوادُ الاعظم" کے مُدیر مولانا مُفتی محمد عمر نعیمی (۱۸۹۳ء تا ۱۹۶۶ء) فرماتے ہیں :-

"کس قدر تعجب کا مُقام ہے کہ دینِ اسلامی کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنتِ اسلامیہ اور اماکنِ مُقدّسہ کا مُخالف سمجھا جائے اور وُہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیۂ دُنیا مُشرک ہے اور قبّے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز وُہ اس کے حامی و مددگار سمجھے جاتے ہیں۔

گُرگ اور گلّہ کی چوپانی، لاحول ولاقوۃ الا باللہ"

(ماہنامہ السّوادُ الاعظم مُراد آباد جُمادی الاُخریٰ ۱۳۳۹ھ / فروری ۱۹۲۱ء ص ۲۳، ۲۴ بحوالہ تحریکِ آزادیٔ ہند اور السّوادُ الاعظم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء - ص ۱۹۹)

[۲] عکس رسالہ "دوامِغ الحمیر" صفحہ ۲۶ اور ۲۷

ان تاریخی شہادتوں کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ صیانت سلطنتِ اسلامیہ، تحفظ مقاماتِ مقدسہ اور مشرکین و کفار محاربین کے ساتھ موالات وغیرہ امور فریقین میں محلِ نزاع تھے۔ درحقیقت یہ طے شدہ امور کسی طرح کی بحث کی صلاحیت نہ رکھتے تھے، ایسے غیر متنازعہ امور کو زیر بحث لانا تحصیلِ حاصل کے ساتھ حالات سے کمال بے علمی یا فریب دہی تھی۔

ثالثاً: جمعیۃ العلماء کی طرف سے اعلان مناظرہ کے چیلنج کو جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی کے صدر مولانا محمد امجد علی رضوی کے ستر سوالات (بنام اتمام حجت تامہ) کی اشاعت نے قبول مناظرہ کا درجہ دے دیا۔ جمعیۃ کے مزید اصرار پر جماعت رضائے مصطفےٰ کا ایک چار رکنی وفد نامزد کر دیا گیا، اس پر پروفیسر سید سلیمان اشرف کے دستخط نے مزید تقویت پہنچائی۔ گویا موضوع مناظرہ:

مولانا محمد امجد علی رضوی کے ستر سوالات (بنام اتمام حجت تامہ) ہیں۔

اور طالبانِ مناظرہ:

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کا ایک نامزد وفد ہے۔

اس وفد کے ساتھ۔ جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر کی زبانی گفتگو بھی ہو چکی اور تحریری بیانات کا تبادلہ بھی ہو چکا تھا، مگر ابو الکلام آزاد کا دیگر اکابر جمعیۃ العلماء کی طرح مناظرہ سے کمال فرار تھا کہ موضوع مناظرہ "اتمام حجت تامہ" کو تو ہاتھ نہ لگایا۔ اور نہ ہی جماعت رضائے مصطفےٰ کی تحریروں اور مطبوعہ اشتہارات کا جواب دیا جب کہ طالبانِ مناظرہ وہ تھے۔ ابو الکلام آزاد کا مناظرہ سے فرار کا یہ کمال حیلہ تھا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کو طلبِ مناظرہ کے لیے خط لکھا۔ درآں حالیکہ مناظرہ میں وہ سائل ہیں اور نہ طالب مناظرہ اور صورت حال یہ ہے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ بستر علالت پر تھے۔ اس مناظرہ کے چھ ماہ بعد ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر

۱۹۲۱ء کو آپ نے دار آخرت کی طرف سفر فرمایا۔ اِس علالت و نقاہت کے عالم میں فاضل بریلوی کو مناظرہ کے لیے دعوت دینا کس معنی میں ہے ——— ؟

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور ادھر جمعیتُ العلماءِ ہند اپنی ہی اُٹھائی ہوئی شورش کے باوجود شرعی مسائل میں تصفیہ کے لیئے تیار نہ تھے۔ عوامُ النّاس بے چین تھے کہ اُن کے سامنے دوسری طرف کانگرس کی حمایت، اور متّحدہ قومیت کے لیئے اسلامی شعار کو قُربان کرنے والے بھی بعض افراد مولوی نُما تھے، ان نازک حالات میں مدرسۂ اہلِ سُنت و جماعت بریلی کے مُدرسین اور جماعت رضائے مُصطفےٰ کے اراکین نے مُسلمانوں کی مذہبی و سیاسی راہنمائی اور مُسلمانوں کو ہندو قومیّت میں مُدغم کرنے والوں کی ناپاک کوششوں سے آگاہ کرنے کے لیے طویل مضمون کا ایک اشتہار ۱۳ رجب ۱۴۳۹ھ / ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو شائع فرمایا۔ اشتہار کا عنوان تھا:

"مُسلمانو! تمہارے پیارے نبی علیہ افضل الصّلوٰۃ والسّلام کی پیاری آواز"

اِس اشتہار میں ہندو مسلم اتحاد کے مؤیّدین حضرات اور گاندھی کے پسِ رو لیڈران کی غیر اسلامی اور مُسلم قومیّت کو فنا کر دینے والی حرکات کو بڑی تفصیل سے گنوایا۔[1] آج ساٹھ سال بعد کانگرسی مُسلم اکابر کی اِن حرکات کو دیکھتے ہیں تو مارے شرم

---

[1] پروفیسر محمد مسعود احمد نے بھی "تحریکِ آزادیٔ ہند اور السّوادُ الاعظم" میں جہاں تحریکِ خلافت کے باب میں ان میں سے بعض حقائق کا ذکر کیا ہے وہاں ایک اہم امر کی جانب توجہ بھی مبذول کرائی ہے جس کا تذکرہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض ایسے مؤرخین جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور خود تحریکِ خلافت وغیرہ میں شامل رہے (یا پھر ایسے قلمکار جو ذہنی اور عملی طور پر ایسی سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہیں جنہوں نے

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

کے گردن جھک جاتی ہے کہ شیخ الہند، شیخ الاسلام اور امام الہند قبیل کے کانگرسی اکابر دعویٰ علم و فضل کے باوجود کس طرح مسلمانوں کو ہندوؤں کے ناپاک ارادوں پر قربان کر رہے تھے۔ آج ان کے اسمائے گرامی دُہراتے ہوئے غیرت محسوس ہوتی ہے اور ان کا ذکر کرنا تہذیب اور رواداری کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ تاہم تاریخ عقیدہ نہیں جو اپنے پرائے کی تمیز کیے بغیر اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے اور

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی اور اب تک ذہنی طور پر تقسیم ہند کو قبول نہیں کیا) کی جانب سے اس دَور کی (جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں کے اسباب و عوامل کو یکسر نظر انداز کر کے) سیاسی جذباتی تحریکوں سے الگ تھلگ رہنے والوں کو "انگریزوں کے بہی خواہوں" کا الزام دے کر بدنام کرنے کا "فریضہ" انجام دیا گیا ہے۔ اس لیے پروفیسر صاحب موصوف نے ایسے مؤرخین کا تعاقب کیا ہے اور ان تحاریک (تحریکِ خلافت و ترکِ موالات) میں شمولیت اور عدم شمولیت یعنی ہر دو نقطہ ہائے نگاہ کا موازنہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس میں شک نہیں کہ تحریکِ خلافت اور اس کے مقاصد سے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا اور "روئدادِ مناظرہ" میں بھی آپ ملاحظہ کریں گے) فی نفسہٖ فاضلِ بریلوی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔ مگر اس کے طریقۂ کار سے سخت اختلاف تھا۔۔۔ سیاست جدیدہ (دَورِ جدید کی سیاست) میں مقاصد پر نظر رہتی ہے، ذرائع پر نہیں۔۔۔ مگر سیاست شرعیہ میں مقاصد اور ذرائع دونوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اس لیے مؤخر الذکر سیاست اوّل الذکر سیاست سے نہایت نازک ہے۔ چنانچہ فاضلِ بریلوی (اور ان کے ہمنوا علماء) نے تحریکِ خلافت کے ذرائع پر سخت تنقید کرتے ہوئے...... اعتراضات وارد کیے ہیں (جن کی تفصیل ناظرین آئندہ صفحہ پر دیئے جانے والے مطبوعہ عکس میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے) اگر مؤرخانہ دیانت داری اور حمیّت اسلامی کے ساتھ ان

(باقی برصفحۂ آئندہ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماضی کے واقعات کی تصدیق یا تردید ہوتی رہتی ہے
اشتہار کی عبارت اگرچہ طویل ہے مگر تاریخی طور پر اس کا ایک ایک حرف قابلِ
توجہ ہے، اس لئے آئندہ صفحات پر اس کا عکس دے دیا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)
اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو نہایت وقیع معلوم ہوتے ہیں اور اس کے
مقابلے میں مخالفین کی الزام تراشیاں بے وقعت معلوم ہوتی ہیں ..... اگر
یہ حقائق صحیح ہیں تو بحیثیت ایک غیرت مند عالمِ اسلام کے فاضل بریلوی نے
ایسی تحریک سے خود کو علیحدہ رکھا تو کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ مندرجہ بالا فہرست
میں بعض تلخ حقائق تو ایسے ہیں کہ اس زمانے کا گیا گزرا مسلمان بھی ایسا
نہیں کر سکتا — ان حقائق کو نظر انداز کر کے صرف یہ مشہور کر دینا کہ
فاضل بریلوی تحریکِ خلافت کے مخالف تھے، یہی نہیں بلکہ انگریزوں
کے ایجنٹ ہیں، سخت بد دیانتی اور تاریخی خیانت ہے اور ایسے خائن
مورخوں کا محاسبہ کیا جانا چاہیئے۔ —— "
(تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم از پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور
۱۹۷۷ء ص ۲۰۶ وبعدہٗ)

مسلمانو تمھارے پیارے نبی علیہ افضل الصلاۃ والسلام کی پیاری آواز

صحیح مسلم شریف مین ہے حضور اقدس فرماتے ہین یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم
من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم
آخر زمانے مین کچھ لوگ حق مین باطل کے برے ملانیوالے سخت جھوٹے تمھارے پاس وہ باتین لائینگے
جو تم نے سُنی ہونگی نہ تمھارے باپ دادے نے تو اونسے دُور بھاگو اور اوُنھین اپنے سے دور کرو کہین تمھین گمراہ
نہ کردین کہین وہ تمھین فتنے مین نہ ڈالدین مسلمانو یہ تمھارے پیارے نبی علیہ افضل الصلاۃ والسلام کا ارشاد
ہے جو فرماتے ہین خالص تمھاری خیرخواہی کے لیے فرماتے ہین۔ اب یہ دیکھلو کہ تیرہ سو برس سے کبھی
تمھارے باپ دادا نے یہ سُنا تھا کہ مسلمان کہلانے والے مشرکون سے خلوص اخلاص اتحاد منائین۔ قرآن
فرمائے کہ وہ تمھاری بدخواہی مین کمی نہ کرینگے۔ یہ اونھین خیرخواہ بتائین مشرکون کے حلیف بنین۔
امور دینی مین اونکی مدد مانگین اونکا دامن تھامین اونپر اعتماد کرین۔ اونکے پاس عزت ڈھونڈھین۔ اونکے
میل سے غلبہ تلاش کرین اونسے دوستانہ اتفاق کا معاہدہ کرین۔ معاملہ دین مین اونکو اپنا رہنما بنائین
خود اونکے پس رو بنین اونکی اطاعت کرین جو وہ کہین وہی مانین۔ قرآن وحدیث کی تمام عمر ہمت پرست
نچھاور کرین مشرکونکی خاطر مودت خوشنودی کیلیے شعار اسلام بند کرین۔ اپنے مذہبی شعار پر مسلمانون کے اصرار کو
انگریزون کی خوشی کے لیے ٹھہرائین۔ اونکی قربانی حرام۔ اور اوسکا گوشت مردار۔ اور اُس قربانی پر قائم
رہنے والون کو کافر ٹھہرائین۔ مشرکون کو مسجدون مین لیجا کر مسلمانونکا واعظ بنائین مسلمانون سے
اونچے کھڑا کرکے مسند نبوی پر بٹھائین۔ مشرکون کیلیے عزت مانین۔ اونکی عظمت کرین مشرک کی مدح مین کمال
افراط دکھائین۔ اوسے مسلمانون کو فرض دینی کا سبق پڑھانے والا مدبر بتائین۔ اوسے مذکر مبعوث من اللہ
کہین کہ اللہ نے انکو تمھارے لیے مذکر بناکر بھیجا ہے پھر ان کھلے ضلالون حرامونکے حلال کرنے کو آیتون
حدیثون میں تحریفین کرین۔ قرآن وحدیث کے ارشاد کا پلٹ کردین۔ مشرکون کی رضامندی کو خدا کی رضا مانین
ایسا نیا مذہب نکالنا چاہین کہ مسلم وکافر کا امتیاز اوٹھادے۔ سنگم و پریاگ (معابد مشرکین) کو مقدس

---

(۲) اور عزت تو اللہ اور اُس کے رسُول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے۔ الخ (۶۳/۸)

علامت ٹھہرائے مسلمان بننے والے گنگا جمنا کی زمین کو مقدس زمین کہین۔ اوسپر ترک بھی چڑھکر آئین تو
اونپر بھی تلوار اوٹھانے کا عزم رکھین یہ ترکون کی خیرخواہی ہے جسٹر گونکے بھائی بننے کو نیک کام بتا کر
بارگاہ الٰہی مین پیش کرین۔ مشرکون سے ماتھے پر قشقے لگوائین جسٹر کی ٹکٹی کندھون پر اوٹھائین۔
اوسکے ماتم کو ننگے پاؤن ننگے سر جمع ہوکر اوسکے لیے دعائے مغفرت کرین۔ مساجد کو اوسکا ماتم گاہ بنائین
جسٹر کی جے مسلمان پکارین۔ واحد قہار کو رام کہین یعنی ہر چیز مین رما ہوا ہر شے مین سرایت کیے ہوا اور
اونکے مفتی اسے جائز بتائین۔ جن ظالم مشرکون نے صرف قربانی بند کرنیکے لیے مسلمانون کو قتل کیا اور
مٹی کا تیل ڈالکر جلایا۔ مسجدین ڈھائین۔ قرآن پھاڑے۔ صدہا کانون لوٹ لیے یا اونکی رہائی کے
ریزولیوشن پاس کرین۔ رام لچھمن پر پھول چڑھائین۔ قرآن مجید اور رامائن ایک ڈول مین رکھکر
مندر مین لیجائین اونکی پوجا کرائین وغیرہ وغیرہ شیطنت کثیرہ۔ خدا کو ایک جا نکر کہنا بھی تیرہ سو

لے "شاہ ولی اللہ دہلوی کے جانشین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م۔ ۱۸۲۳ء) کے ملفوظات کا اردو میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ان ملفوظات میں آنجناب مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ پیتل کے برتن استعمال نہ کریں کیونکہ ہندو پیتل کے برتن استعمال کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کو مسلمانوں کی ہندوؤں کے ساتھ اتنی مشابہت بھی منظور نہ تھی، چہ جائیکہ اور امور میں وہ اشتراک عمل کو جائز سمجھے یہی ایک نقطہ احراریوں، ابوالکلامیوں، قوم پرستوں اور جمعیت العلماء ہند کے سیاسی موقف کو غلط قرار دینے کیلئے کافی ہے۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ جمعیت العلماء ہند کے راہنماؤں کو کشف قلوب اور کشف قبور ہوتا تھا لیکن انہیں کشف ہنود کبھی نہیں ہوا۔ وہ تاریخ کی روشنی میں ہندوؤں کی گھٹیا ذہنیت، اسلام دشمنی اور مسلم بیزاری کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے۔" (محمد اسلم پروفیسر۔ "تحریک پاکستان" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء۔ ص ۳۷) ——— "اسلام نے اپنے متبعین کو کفار سے بیگانگی کا حکم اس تاکید و مبالغہ سے دیا تھا کہ معاشرتی امور میں بھی یہ ہدایت کی گئی تھی کہ کفار کی تقلید اس میں بھی نہ ہونے پائے وضع لباس شکل و صورت ماکل و مشارب سلام و تحیۃ تعزیت و تہنیت غرض جملہ شعبہ ہائے حیات مسلم تقلید کافر سے مصئون و محفوظ ہے۔ چنانچہ آج تک مسلمان یہی جانتے تھے اور بقدر توفیق اسی پر اُن کا عمل بھی تھا لیکن اس دور (تحریک خلافت و ترک موالات) میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح فنا کر دی گئی کہ معاشرتی

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

برس سے یہ باتین سُنی تھین۔ یقیناً یہ وہی ہین جنکو تمھارے پیارے نبی علیہ افضل الصلاۃ والسلام فرماتے ہین اونسے دور بھاگو اور اونھین اپنے سے دُور کرو۔ کہین وہ تم کو گمراہ نکردین کہین وہ تم کو فتنے مین نہ ڈالدین دیکھو تمھارے نبی کا یہ ارشاد ہے اور تمھارا رب عزوجل فرماتا ہے[1] فلا تقعدوا معھم انکم اذاً مثلھم[2] اونکے پاس نہ بیٹھو ورنہ تم بھی اونھین جیسے ہوگے[3] پارٹی والے ہم غریب

(حاشیہ بقیہ صفحۂ گزشتہ)

وتمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کُفّار کی تقلید کمال ارادت وعقیدت سے ہونے لگی اور اسے ایمان دِاسلام کا لقب عطا کیا گیا۔ کہنے والا منہ بھر کر کُفر کا کلمہ کہتا ہے سامع اُسے سُنتا ہے اور جوشِ طرب میں آکر رقص کرتا ہے۔ عُلمائے سیاسی دیکھتے ہیں سُنتے ہیں، لیکن کہیں اپنے سکوت کہیں اپنی مُداہنت اور کہیں اپنے فتاویٰ سے ایجادِ کُفر وتکرارِ کُفر پر ترغیب وتحریص دیتے ہیں۔ یہ وُہی زمانہ ہے جس کے متعلق مسلم شریف میں روایت موجُود ہے۔ "حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں جھُوٹے دجّال ...... الخ" (حدیث مُبارک کا ترجمہ اور متن اُوپر آچکا) جس مُسلمان میں ایک ذرہ ایمان کا باقی ہے وُہ دیکھ لے کہ یہ زمانہ وُہی زمانہ ہے یا نہیں دیکھ لو ہندُوؤں کے متعلق جس قدر احادیث وآیاتِ قرآنیہ آج پیش کی جارہی ہیں، اِس سے مُسلمانوں کے کان کبھی آشنا ہُوئے تھے۔ تاریخ کی کتابیں موجُود ہیں ہمیں بتاؤ کہ کس عہد میں ہندُوؤں کو مُسلمانوں نے اپنا رہبر بنایا تھا۔ مُسلمانوں نے ہندوستان پر ساڑھے سو برس تک فرماں روائی وجہاں بانی کی ہے۔ ہزاروں عُلماء اِس خاکِ ہند سے پیدا ہُوئے لیکن اِس کا پتا بتاؤ کہ کس صدی کے عُلماء نے کُفّارِ ہند کو اہلِ کتاب قرار دیا؟ رام لچھمن پر پھُولوں کا تاج مُسلمانوں نے کس زمانے میں رکھا۔ آج سے پیشتر جس قدر عُلمائے کرام گزرے اُن کی تصانیف یا اُن کے حالاتِ زندگی میں کہیں اس کا سُراغ ملتا ہے؟ اِس طرح ہندو پرستی تو اسی صدی کے مُدعیانِ علم کے لیے مخصُوص تھی تاکہ مُخبرِ صادق کا ایک ایک حرف صحیح ہوجائے۔" (سُلیمان اشرف، پروفیسر سیّد محمد۔ "النّور" مطبوعہ علی گڈھ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء ص ۱۵۴، ۱۵۵ زیرِ عنوان "عصبیّت اسلامی کی تخریب")

[1] القرآن الحکیم، سورۃ النّسآء، ۱۴۰۔

[2] "کُفّار کی ہم نشینی اور اُن کی مجلسوں میں شرکت کرنا ایسے ہی اور بے دینوں اور گمراہوں کی مجلسوں کی شرکت اور اُن کے ساتھ یارانہ ؤ مُصاحبت ممنوع فرمائی گئی۔" (حاشیہ کنز الایمان)

[3] "اِس سے ثابت ہُوا کہ کُفر کے ساتھ راضی ہونے والا بھی کافر ہے۔" (حاشیہ کنز الایمان)

مسلمانوں کو انگریزوں کا طرفدار کہہ سکتے تھے اگر ہم اپنی طرف سے کچھ کہتے ہم تو اللہ و رسول کے
ارشاد سُناتے ہیں کیا اللہ و رسول بھی اونکے نزدیک انگریزوں کے طرفدار ہیں مسلمانو اللہ اپنے
رب کا ارشاد اور اپنے نبی کی آواز سُنو۔ ہم جانتے ہیں کہ تم میں اکثر وہ ہوتے ہیں کہ بطور تماشا

لے " گاندھی کی آندھی نے جو خاک اُڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بینائی زائل ہو گئی مگر علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہلڑ بازی سے قطعاً مُتأثر نہ ہُوئی، حضرت احمد رضا خاں بریلوی تھے، آپ نے اُن دنوں بھی اس بات پر زُور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کُھلی رکھنی چاہئیں۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دُشمن ہیں۔ کانگرسی مُسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کُھلی رکھی تھی۔ وُہ صرف انگریز کو اپنا دُشمن سمجھتے ہیں۔ (حضرت بریلوی کا مُوقف یہ تھا کہ ہندو اور انگریز دونوں مُسلمانوں کے خلاف ہیں۔ یہی علامہ اقبال کا مُوقف تھا اور اسی کو بعد میں قائدِ اعظم نے اپنایا۔ ") اُن دنوں چُونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اس لیئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی (آپ کے صاحبزادگان، خُلفاء و تلامذہ) اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مُہم چلائی گئی، لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا اب باطل پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کُھل کر سامنے آ رہا ہے۔" (عبدالرشید میاں "پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر" مطبوعہ ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور اشاعتِ سوم سنہ ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۰)

مُحمد جعفر شاہ پھلواروی جو تحریکِ ترکِ مُوالات کے سرگرم کارکُن تھے، کا بیان ہے:
"ترکِ مُوالات کی تحریک جب تک زُوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ترکِ مُوالاتیوں نے ان کے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وُہ سرکارِ برطانیہ (گورنمنٹ) کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریکِ ترکِ مُوالات کی مُخالفت پر مامُور ہیں ــــ درِ اصل ہر دَور میں کسی کو بدنام کرنے کے لیئے کوئی چلتا ہُوا اصطلاحی لفظ اختیار کر لیا جاتا ہے جس کے تماشے میں اپنی زندگی میں بہت دیکھ چکا ہُوں ــــ اس قسم کی خبریں خواہ ایک فیصد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی ہوں، لیکن عام لوگ کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ثبوت طلب کیئے بغیر ایمان لے آتے ہیں۔ ایسے مواقع کے لیئے یہ محاورہ بنا ہے کوا کان لے اُڑا۔"

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اونکے جلسے میں جاتے ہیں مسلمانو یہ بھی تمھارے نبی علیہ افضل الصلاۃ والسلام نے حرام بتایا اور
صاف ارشاد فرمایا ہے کہ مَن کثّر سوادَ قومٍ فھو منھم[1] جو کسی قوم کی جماعت بڑھائے
وہ اونھیں میں سے ہے پھر وہاں اللہ و رسول کو سخت گالیاں دینے والوں وہابیوں دیوبندیوں کا
عمل دخل ہے تم گوارا کروگے کہ اونکے جتھے میں شریک ہوکر اونکے نیچے بیٹھکر اللہ و رسول کو ایذا دو۔
مسلمانو تمھارا رب سب کچھ جانتا ہے تمھارے نفع نقصان کی سب باتیں بتا دی ہیں
ایسوں کو چندہ دینے کیلیے فرماتا ہے فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون[2]
یہ خرچ کرینگے پھر قیامت میں یا انکے لیے پچھتانا ہوگا کہ ہائے مال بھی دیا اور خدا کا غضب بھی
سر لیا پھر مغلوب کرکے اپنے ٹھکانے پہنچائے جائینگے مسلمانو ہمنے اللہ و رسول کے
احکام سُنا دیے جو مانے اوسکے لیے دین دنیا کا بھلا ہے ورنہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے نہ ماننے
والوں کو قیامت میں یہ عذر نہ رہا کہ ہمیں معلوم نہ تھا اے میرے رب ہدایت فرما آمین۔

مدرسین مدرسۂ اہل سُنت و جماعت و ارکین جماعت
رضائے مصطفےٰ (علیہ افضل الصلاۃ والثنا)
۱۳ رجب مرجب سنہ ۳۹ھ[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحریک ترکِ مُوالات میں جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا، اِس لئے ایسی افواہوں (بلکہ اِس قدر اَور ایسے شر انگیز اِلزامات وَافترا اَور گمراہ کُن پروپیگنڈا جس کی گرفت میں بعض سادہ دِل وسَادہ لَوح اب بھی ہیں) کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہُوئی" لیکن جیسے جیسے شعُور آتا گیا مذہبی تعصُّب اَور تنگ دِلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا۔"
(جہانِ رضا مُرتّبہ محمد مرید احمد چشتی، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء - ص ۱۲۵)

[1] المطالبُ العالیۃ بزوائدِ المسانیدِ الثّمانیۃ (جلد ۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت- لبنان ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء - ص ۴۲ ، حدیث نمبر ۱۶۰۵

[2] القرآن الحکیم، سورۃ الانفال، ۳۶

[3] عکس رسالہ دوامغ الحمیر، ص ۵۷، ۵۸ اور ۵۹

جمعیتُ العُلمائے ہند کے اکابر اپنی غیر اسلامی اور سیاسی طور پر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ حرکات کو چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ "ہماری حرکات کی حقیقت عوام پر واضح ہو۔" وہ جماعت رضائے مصطفےٰ کے مطالبۂ تحقیقِ حق کا کوئی جواب نہ دے رہے تھے۔ اس کے باوجود اراکین جماعت نے اپنی کوششوں کو منطقی عروج تک پہنچانے کے لیے غیر متزلزل رکھا۔ جماعتِ رضائے مصطفےٰ کے نامزد وفد نے ابوالکلام کو جلسہ میں حاضر ہو کر اپنا موقف بیان کرنے کے لیے وقت کے مطالبہ کا ایک اور خط لکھا —— اور اس کے ساتھ ہی پروفیسر سید سلیمان اشرف نے مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولوی عبدالودود صاحب کو ذاتی طور پر اپنے نام سے ایک خط لکھا، ابوالکلام آزاد خط کا جواب کس طرح دیتے؟ البتہ مولوی عبدالودود ناظم استقبالیہ جمعیت کی طرف سے یہ مایوس کن جواب آیا کہ:

"ہر کس و ناکس سے نزاع و مخاصمہ کرنا خدام ملت کے نزدیک بے نتیجہ اور بے سود ہے۔" [1]

اس پر سید سلیمان اشرف نے ۱۴ رجب/ ۴ مارچ کی صبح کو اس خط کا جواب یہ بھیجا:

"جلسہ جمعیتُ العُلماء منعقدہ بریلی کا رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بھیجا۔ فقیر نے شرکت سے قبل امر مابہ النزاع کا تصفیہ چاہا۔ آنجناب اس بے بضاعت کو "ناکس" قرار دے کر گفتگو سے اعراض فرماتے ہیں امام اہلِ سُنّت مجدد مأتہ حاضرہ سے طالب مناظرہ ہوتے ہیں۔ انصاف شرط ہے کہ رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بلا واسطہ بھیجا جائے

---

[1] روداد مناظرہ مرتبہ اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ، مطبوعہ بریلی، ص ۲

اور گفتگو کی جب نوبت آئے تو اُسے "کس و ناکس" کہا جائے۔ اُس کے احقاقِ حق کو نزاع و مخاصمہ قرار دیا جائے، کیا یہی شیوہ خدّامِ ملت ہے آخر میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ براہِ کرم قبل نماز جمعہ فقیر کو اپنے جلسے میں بحیثیت سائل حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمائیں۔"[1]

پروفیسر سید سلیمان اشرف کے جواب میں ابوالکلام آزاد نے وہی روش اختیار کی جو اس سے پہلے امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نام لکھے گئے خط میں اختیار کی تھی۔ یعنی امور غیر متنازعہ فیہ کا حل بحث قرار دینا اور امور متنازعہ فیہ اور منشاء اختلاف سے یہ کہہ کر قطعاً انکار کر دیا کہ:-

"اِن امور (غیر متنازعہ) کے علاوہ فی الحال دوسرے مباحث سے اِس مناظرہ کو کچھ علاقہ نہ ہو گا۔"[2]

یہ ٹال مٹول اور حیلے حوالے دیکھ کر صاف کھل گیا کہ جمعیت العلماء ہند کے اربابِ اقتدار اپنے اور کارکنانِ خلافت کمیٹی کے غیر محتاط رویہ بلکہ غیر اسلامی حرکات کے باعث مناظرہ سے عاجز ہیں، صرف بلند بانگ دعووں اور سخن سازی میں وقت گزار رہے ہیں۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کے خطوط میں وہی لمبی خاموشی اور سید سلیمان اشرف کے خط میں غیر متعلق بلکہ مایوس کن جواب کے باوجود جماعت رضائے مصطفےٰ نے چھٹی بار ایک اور خط میں تعیُّنِ وقت و مقام کا تقاضا کیا لیکن نتیجہ بے سُود۔ اِدھر طلب مناظرہ کے جواب میں طویل خاموشی اور اُدھر غیر اسلامی اور سیاسی طور پر ملت اسلامیہ کیلیے

---

[1] روداد مناظرہ، ص ۳ و ۴
[2] روداد مناظرہ، ص ۴

نقصان دہ اقوال وحرکات کی موجودگی میں جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس کی کاروائی
ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جمعیۃ العلماء ہند اپنے اجلاس کے اختتام پر یہ
کہہ کر ساری ذمہ داری علمائے اہلِ سنت پر ڈال دیں گے کہ " انہوں نے اختلاف کو ختم
کرنے کا ایک نادر موقع ضائع کر دیا ہے، ہم تو ان کے گھر اختلاف ختم کرنے آئے تھے"۔
اس صورتِ حال کے پیشِ نظر خدامِ آستانہ عالیہ رضویہ، اراکین جماعت رضائے
مصطفےٰ اور مدرسہ اہلِ سنت وجماعت کے فاضل مدرسین ملی وقومی مسائل کے حل، علماء
کے درمیان مذہبی وسیاسی امور متنازعہ فیہ کے تصفیہ اور اسلامیانِ ہند کے لئے
موجودہ درپیش مسائل، اور آئندہ کے لئے متفقہ لائحہ عمل مرتب کرنے کی خاطر جمعیت العلماء
کے پنڈال میں بڑی شان وشوکت سے پہنچے، ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ان
کے ساتھ تھے۔ مجمع کے آگے نعت خوان، نعت شریف پڑھتے جا رہے تھے
اور مسلمان نعرہ ہائے تکبیر ورسالت بلند کرتے نہایت وقار وتحمل سے جلسہ گاہ میں پہنچے۔
مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف کو تو باقاعدہ دعوتِ شرکت مل چکی تھی۔ اراکین جماعت
رضائے مصطفےٰ اپنے سابقہ تقاضوں اور خطوط کی بناء پر اور سید سلیمان اشرف
اپنے باقاعدہ دعوتی پیغام کی بناء پر مجمع میں تشریف لائے۔ حقیقتاً اراکین جماعت
رضائے مصطفےٰ کی طرف سے یہ ساتواں شدید تقاضا تھا، جب یہ حضرات سراپا مطالبہ
مناظرہ بن کر جلسہ گاہ میں پہنچے تو منتظمین جلسہ علمائے اہلِ سنت کو نہایت احترام واحتشام
سے اسٹیج پر بٹھانے پر مجبور ہو گئے، اس وقت مولوی احمد سعید[1] دہلوی تقریر کر رہے

۱۔ مولوی احمد سعید (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۹ء) مسلک دیوبند کے عالم ہیں مگر سیاسی حیثیت سے زیادہ ممتاز رہے۔
مدرسہ امینیہ دہلی سے دینی علوم کی تکمیل کی۔ جمعیۃ العلماء ہند کے پہلے ناظم اعلیٰ تھے۔ دلی کی ٹکسالی
زبان بولتے۔ انہیں آزادی پاکستان سے شدید اختلاف تھا مگر ہندوستان کی آزادی کے بعد
انہیں خود بھی وہاں کے مسلمانوں کے انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرنا پڑی۔ متعدد کتابیں
تصنیف کیں۔

تھے. مولوی احمد سعید دہلوی نے اپنی تقریر میں بڑی کوشش کی کہ مجمع کو اپنے موافق جوش دلایا جائے، اس پر انہوں نے اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن اب جلسہ گاہ میں صورتِ حال بدل چکی تھی، مجمع بار بار تقاضا کر رہا تھا کہ ہمیں علماءِ اہلِ سنت کے خیالات سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا جائے. صدرِ جلسہ ابو الکلام آزاد نے جب حالات کا جائزہ لیا، علماءِ اہلِ سنت، وفد جماعت رضائے مصطفےٰ، خدام آستانہ عالیہ رضویہ اور راسخ الاعتقاد سنی عوام کو ہزاروں کی تعداد میں جلسہ گاہ میں موجود پایا تو اب انہیں مناظرہ سے بچنا ناممکن نظر آیا. بایں ہمہ طالبانِ مناظرہ — وفد جماعت رضائے مصطفےٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف کو تقریر کے لیے پینتیس (۳۵) منٹ کا وقت دیا (وہ بھی اس لیے کہ ان کے نام جمعیت العلماءِ ہند کے اجلاس میں تقریر کا دعوتی پیغام بھیج چکے تھے، انہیں وقت دینے کے سوا چارہ نہ تھا) مولانا سید سلیمان اشرف نے موقع سے فائدہ اٹھایا، انہیں جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے مناظر اور سائل کے فرائض سرانجام دینے پڑے. مولانا نے اپنی تقریر میں درپیش مسائل حاضرہ، تحفظ سلطنتِ اسلامیہ، صیانت مقامات مقدسہ اور ترکِ موالات وغیرہ امور میں سے نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف کو بیان فرمایا.

مولانا سید سلیمان اشرف[1] کی تقریر کی جزئیات پر بحث کرنے سے قبل مناسب

---

[1] حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف (پ ۱۸۷۸ء)، محلہ میرداد، قصبۂ بہار شریف (صوبۂ بہار) کے ایک ممتاز خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے. بقول ڈاکٹر طلحہ رضوی اُن کا آبائی نسب حضور غوثِ اعظم رضی عنہ اور مادری نسب حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے، سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ سے منسلک تھے، فارسی اور ابتدائی

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اندازِ بیان پیش کیا جائے تاکہ آپ کی تقریر کی تاثیر

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

عربی درسیات مولانا محمد احسن استھانوی سے پڑھنے کے بعد جونپور کے مدرسۂ حنفیہ میں خاتم المتکلمین مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد مولانا محمد ہدایت اللہ خان فاضل رامپوری سے براہِ راست اکتسابِ علم کیا۔ فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چیئر میں مقرر ہوئے (۱۹۰۸ء) مولانا موصوف تقریر و تحریر میں "علم البیان" کی نعمت سے سرفراز تھے، ان کی عظمتوں کے علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی اور خواجہ حسن نظامی جیسے اہلِ علم معترف رہے ہیں۔ مرحوم پروفیسر رشید احمد صدیقی (صدر شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "گنج ہائے گراں مایہ" میں ۵۱ صفحات پر مشتمل موصوف کا خاکہ پیش کیا ہے اور جن تاثرات کا اظہار کیا ہے اس سے سید صاحب کی شخصیت بہت ہی تابناک معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اس شعر سے اپنے مضمون کا آغاز کیا ہے ؎

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
وہ دانا مر گیا آخر کو، ویرانے پہ کیا گزری

بقول رشید احمد صدیقی، سید صاحب کو فنِ خطابت میں کمال حاصل تھا:-

"آواز میں کڑک اور لچک، دھمک بھی ـــ خطابت پر آتے تو معلوم ہوتا صفیں الٹ دیں گے"۔

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء کی "درویش جنتری" میں سید صاحب کی قادر الکلامی اور شگفتہ بیانی کا ذکر بڑے ہی دل نشین اور دلکش انداز سے کیا ہے:-

"تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای۔ آئی۔ آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود پڑھنے کے لیے تھوڑی تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے، ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھارا نکلی ہے جو ہر دوار تک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔ بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علیت کا انداز ہوتا ہے"۔

علامہ شبیر احمد خاں غوری لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا کی ذات گرامی مرجع اکابر و اعیان تھی، ان کی بارگاہ میں نہ صرف یونیورسٹی کے اکابر بلکہ ضلع علی گڑھ کے رؤسا و عالی مقدار اور شہر کے وجوہ و اعیان حاضر ہوتے تھے۔ بقول ممتاز ادیب اور تذکرہ نگار طالب ہاشمی ان کا وجود

اور جامعیت کھل کر سامنے آجائے۔ مولانا سید سلیمان اشرف کے مخالف مناظر

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

علی گڑھ یونیورسٹی کے لیے آیۂ رحمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ علم و فضل کا بحرِ زخار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کا پیکرِ جمیل تھے۔ ہزاروں تشنگانِ علم ان کے فیضانِ علمی سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر اپنے اپنے دوائر میں ان کے نام کو روشن کیا۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۹۵ء) سابق سربراہ شعبۂ اردو، جامعہ کراچی "رفت و بود" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:

> "میں نے بہت سی یونیورسٹیاں دیکھی ہیں، بڑے بڑے علماء کو دیکھا اور قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، لیکن سلیمان اشرف جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا۔" (روزنامہ جسارت کراچی، ۲۰ جون ۱۹۸۰ء، صفحہ ۶)

سید صاحب نے علی گڑھ کی ملازمت کے باوجود اپنے دور کی تمام تحریکوں میں کھل کر حصہ لیا اور اپنے موقف کا واضح اعلان کیا اور یہی ان کی شخصیت کا حسن تھا جس کے مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، نواب محسن الملک اور دیگر افراد ہمیشہ اسیر رہے۔ انہوں نے ترکِ موالات جیسی ضرر رساں تحریک کی سختی سے مزاحمت کی اور تحریکِ خلافت کے لیڈروں کے خلافِ شرع افعال و اقوال پر تنقید کی۔ ۱۳۳۹ھ میں جمعیۃ العلماء کے جلسۂ منعقدہ بریلی میں ابو الکلام آزاد سے مسئلہ ترکِ موالات، ذبیحہ گاؤ پر پابندی اور کانگریس سے الحاق و اتحاد کے موضوع پر مناظرہ کر کے ابو الکلام کو تاریخی شکست سے ہمکنار کیا۔ سید صاحب کثیر التصانیف عالمِ دین تھے، لیکن جن کتابوں کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ ان میں المبین (عربی زبان پر ایک نادر کتاب ہے)، النور (دو قومی نظریہ پر ایک جامع ترین تصنیف ہے، جس نے آگے چل کر دار العلوم علی گڑھ کے طلباء پر بڑا گہرا اثر ڈالا اور دو قومی نظریہ کو عام کرنے میں یہ کتاب بہت ممد و معاون ثابت ہوئی) اور الانہار (امیر خسرو علیہ الرحمہ کی مثنوی ہشت بہشت پر طویل مقدمہ) شامل ہیں۔

سید صاحب کا وصال ۵۔ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ / ۲۶۔ اپریل ۱۹۳۹ء کو ہوا اور شروانیوں کے قبرستان (احاطۂ یونیورسٹی) میں دفن کیے گئے۔ سنگِ مزار پر جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی المتخلص حسرت (۱۸۶۶ء۔ ۱۹۶۲ء) مرحوم کا یہ تاریخی قطعہ کندہ ہے۔

سلیمان اشرف میر اہل تقویٰ — بہ علم و عمل والۂ دین اشرف
چو نفش شنید آیۂ ارجعی را — بہ جنت شد از قربتِ حق مشرف
سنش از دلِ پاک حسرت نوشتہ — بر جناتِ عدن سلیمان اشرف

=۱۳۵۷+۱ ۱۳۵۸ھ

اور ابوالکلام کے خصوصی معتمد مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی تعصب اور شدید اختلاف کے باوجود عینی شاہد کے طور پر لکھتے ہیں :۔

"رضاخانی جماعت (امام احمد رضا کے خدام اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے وفد) کے ترجمان اور خطیب، مولانا سلیمان اشرف تھے اور اس میں شک نہیں بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے، موصوف کی تقریر نے جو بہت لمبی تھی، کانفرنس کو ہلا ڈالا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب اور کچھ کہنا ممکن نہیں۔" [1]

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

مولانا عبدالماجد دریا بادی (۱۸۹۲ء - ۱۹۷۷ء)، مولانا سید سلیمان اشرف کی دھواں دار تقریر کا منظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

"مخالفین کی طرف سے میدان خطابت کا ایک پہلوان، شہ زور اور پیل تن اکھاڑے میں اتار اگیا۔ کشتی پر کشتی مارے ہوئے، داؤں پیچ (داؤ پیچ) کی استادی میں نام پائے ہوئے اور اس نے تقریر یہ مارا وہ مارا کے انداز میں شروع کی۔ جلسہ پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری اور خلافت والوں کی زبان پر وظیفے یا حفیظ کے جاری۔" [2]

ایک اور عینی شاہد کا بیان ملاحظہ ہو :

"مولانا سید سلیمان اشرف کی تقریر سے پہلے مجمع میں جمعیت کے لیڈرس کی طرف سے جوش پیدا کر دیا گیا تھا، لیکن مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب نے اس خوبی سے تقریر فرمائی کہ اپنے اعتراضات بھی پیش کر

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور۔ جلد ۱۴، شمارہ ۱۰ مورخہ ۶ مارچ ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۵

[2] نقوش (لاہور) شمارہ مئی ۱۹۶۵ء۔ ص ۴۷ بعنوان "مولانا ابوالکلام کی شخصیت"

دیئے اور اُن (جمعیتُ العُلَماء کے اکابر) کی غلطیاں بھی دِکھلائیں، اور مجمع میں کوئی بے چینی بھی پیدا نہ ہوئی، بلکہ مجمع قبول کے کانوں سے حضرت مولانا کی تقریر سُنتا رہا، بار بار اللہ اکبر کے نعرے اور تحسین و آفرین کی صدائیں سُننے میں آرہی تھیں۔" [۱]

پروفیسر سیّد سُلیمان اشرف نے جن مسائل پر اظہارِ خیال فرمایا وہ یہ ہیں:

۱. ہندوؤں کی رِضامندی کے لیئے ذبیحہ گاؤ پر پابندی کا مُطالبہ کیوں؟
۲. گاندھی کے زیرِ اثر اکابرِ جمعیتُ العُلَماءِ ہند اور خلافتی لیڈروں کا شعارِ اسلام ترک کرنا۔
۳. کانگریس کی خوشنودی کے لیئے شعائرِ کُفر میں مُبتلا ہونا۔
۴. تمام کُفّار سے مُوالات کا ناجائز و ممنوع ہونا عام ازیں کہ وہ نصاریٰ ہوں یا ہنود۔
۵. سلطنت کی خاطر مذہب کو قُربان نہ کرنا۔

مولانا کی تقریر "روداد مناظرہ" میں چھپ چکی ہے۔ یہاں ہم مولانا کی تقریر کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

"حضرات! فقیر کی حاضری کی غایت اور خطاب کا مقصد صرف اِس قدر ہے کہ نہایت وضاحت اور صراحت سے امر مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف کو آپ حضرات کے سامنے پیش کر دوں۔

مسئلہ خلافت وتحفُّظ و صیانت اماکنِ مقدسہ اور ترک مُوالات یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف یہ فقیر بلکہ تمام عُلمائے کرام نہیں بلکہ

---

[۱] ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد جلد ۲ شمارہ ۵، ۱۳۳۹ھ بحوالہ حیات صدرُ الافاضل، ص ۱۶۵ - ۱۶۶

تمام عامۂ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں۔" [1]

"سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی اس پر اسلامی سلطنت اس پر اسلام کی قوت دفاعی پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ، بس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ تمام مسلمانانِ عالم پر بقدرِ استطاعت فرض ہے۔" [2]

"میرا و نیز دیگر علمائے اہلِ سنت وجماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ (حرمین شریفین کی محافظ سلطنت اسلامیہ ترکی کی اعانت و نصرت) میں ہرگز نہیں۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام وکفریات کا مرتکب بناتے ہیں"۔ [3]

"آپ حضرات نے برو اقساط کو موالات کا مرادف قرار دیتے ہوئے بے شمار اقوال و افعال کفر وحرام کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو اسے عین تعمیل حکمِ الٰہی بتایا، تفصیل اس کی اس آدھ گھنٹے میں ناممکن۔ تعداد ان کی تقریباً ساٹھ" [4]

"آپ نے قشقہ لگایا۔ گاندھی کی جے ایک دو جگہ، ایک دوبار نہیں بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں بار پکارا کہ مہاتما گاندھی کی جے، جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے کیا قشقہ علامتِ شرک نہیں ہے ـــــ آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کرکے ہمارے جذبات ابھارتے

---

[1] روداد مناظرہ، ص ۴ اور ۵

[2و3] روداد مناظرہ، ص ۵

[4] روداد مناظرہ، ص ۶

ہیں مگر کیا ہندوؤں نے آرہ، شاہ آباد، کٹار پور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لیئے ایسے ہی مظالم نہیں کیے، قرآن مجید نہیں پھاڑے، عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی، مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں، مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں۔" [1]

"غرض مقاماتِ مقدسہ وخلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں خلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے، اس سے ہمیں خلاف نہیں، خلاف اُن حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی ومخالف دین کر رہے ہیں ان حرکات کو دُور کر دیجئے، ان سے باز آیئے ان کی روک تھام کیجئے عوام کو ان سے باز رکھیئے تو خلافت اسلامیہ وممالک مقدسہ کی حفاظت ہندوستان کی ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔" [2]

"مسلمان، گاندھی یا کسی اور کے پس رو اور متبع نہیں ہو سکتے کسی کے جھنڈے کے نیچے نہیں آ سکتے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم ملکی مفاد کے لیئے ہمارے جھنڈے کے نیچے آ کر ہماری زیر سیادت کوشش کرے تو ہم اُس سے کام لے سکتے ہیں۔" [3]

"مذہب کسی سلطنت پر فدا نہیں کیا جا سکتا، اسلام وُہ مذہب ہے جس پر سلطنتیں فدا کی جاتی (جا سکتی) ہیں۔" [4]

---

[1] روداد مناظرہ، ص ۷

[2] روداد مناظرہ، ص ۷ اور ۸

[3] ماہنامہ السواد الاعظم جلد ۲ شمارہ ۵، ۱۳۳۹ھ بحوالہ حیاتِ صدر الافاضل، ص ۱۶۶-۱۶۷

[4] ماہنامہ السواد الاعظم جلد ۲ شمارہ ۵، ۱۳۳۹ھ بحوالہ حیاتِ صدر الافاضل، ص ۱۶۷

مولانا سلیمان اشرف کی مسائلِ حاضرہ پر جامع تقریر سُن کر اراکینِ جمعیت العلماء مبہوت رہ گئے، اور ابوالکلام آزاد کا تو بقول عبدالرزاق ملیح آبادی یہ حال تھا:

"مولانا سلیمان اشرف کی جادو بیانی مولانا (ابوالکلام) سُن رہے تھے، اور ان کے کندھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم کی جادو بیانی سُن (کر) غیر نمایاں طور پر پھڑک رہے تھے۔"[1]

پروفیسر سید سلیمان اشرف کی مدلّل تقریر کے دوران آیات و احادیث اور تفسیر و تاریخ کے حوالوں سے ابوالکلام اور دیگر اکابرِ جمعیت العلماء کی غیر اسلامی حرکات، ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے شعارِ اسلام کا ترک، متحدہ قومیت کی ناپاک کوششوں پر شدید گرفت اور مولانا امجد علی رضوی کے ستر سوالات کا قرض، یہ وہ امور تھے جنہوں نے ابوالکلام صدرِ جلسہ سمیت دیگر اراکینِ جمعیت کو بوکھلا دیا۔ ابوالکلام تو اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ ان کے "جسم پر کپکپی طاری تھی، ان کے کندھے پھڑک رہے تھے"[2]، بڑی بے صبری کے عالم میں جواب کے لئے کھڑے ہوئے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف کے ساتھ اپنے سابقہ تعلقات دوستی و محبت کا تذکرہ کیا اور ساتھ ہی مولانا موصوف پر دو الزام لگائے۔

۱۔ مولانا موصوف بسبب حجرہ نشینی واقعات سے بے خبر ہیں۔

۲۔ بے تحقیق و تفتیشِ حال صرف اخباری بیان پر اعتماد کر کے مؤاخذہ کرتے ہیں۔

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ مارچ ۱۹۶۱ء، ص ۱۵-۱۶

[2] یہ کیفیات خود ساختہ نہیں، بلکہ جلسہ میں حاضر عینی شاہد ابوالکلام آزاد کے معتمد خصوصی مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کی بیان کردہ ہیں۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ہفت روزہ چٹان لاہور شمارہ ۶ مارچ ۱۹۶۱ء

اس کے علاوہ مولانا موصوف کی تقریر کے درمیان اٹھائے گئے اکثر سوالات سے پہلوتہی، بلکہ ان کا ذکر تک نہ کیا۔ بعض اعتراضات سے بچاؤ کی یہ صورت کی کہ ان سے لاعلمی کا اظہار کردیا۔ بعض اعتراضات کی دُور از کار تاویل کی — اور سب سے بڑی بات جو ابوالکلام نے کہی وہ یہ تھی کہ :-

"بے شک موالات تمام کفّار و مشرکین سے ممنوع و حرام ہے جیسے نصاریٰ سے ناجائز ایسی ہی ہنود سے ناجائز، کون کہتا ہے کہ آیۂ ممتحنہ سے موالات غیر محاربین کا جواز نکلتا ہے، کس ذمّہ دار شخص نے ایسا کہا" [1]

مسلم تشخّص کا امتیاز و تحفّظ کرنے والے اکابر علماء اہلِ سُنّت کے مؤقف کی کتنی شاندار فتح ہے، اور یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ ابوالکلام آزاد نے اپنے مؤقف سے خود انحراف کرتے ہوئے بھرے مجمع میں (جس میں مسلمان اور ہندو دونوں موجود تھے) ہندوؤں سے دوستی اور موالات کو ناجائز بتایا۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ جمعیۃ العلماءِ ہند کے اکابر اور تحریک خلافت کے لیڈر جس متحدہ قومیت کی تشکیل میں ہمہ وقت مصروف تھے، اس کے لیے ہندوؤں سے دوستی اور موالات استوار کرنا ضروری امر تھا، اور انہیں اپنا مقتدا اور پیشوا بنانا، بتانا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ دیگر کفّار و مشرکین محاربین و غیر محاربین سے موالات کا جواز و عدم جواز — یہی وہ بنیادی اور اصولی اختلاف تھا جہاں سے "نظریۂ وطنیت" اپنانے — اور مسلمانوں کے تشخّص کو زندہ و تابندہ رکھنے والوں کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں، یہ نظریاتی جنگ نتائج کے

---

[1] دوامغ الحمیر: ص ۵۵، حیاتِ صدرالافاضل: ص ۱۶۷، روداد مناظرہ ص ۱۸

اعتبار سے عظیم جنگ تھی، اور ہے۔

ترکِ موالات کے مسئلہ پر جن خیالات کا اظہار امام احمد رضا قدس سرہٗ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء سے کرتے چلے آرہے تھے، تحریکِ ترکِ موالات ۱۹۲۱ء کے دوران اسے مزید تفصیل سے بیان کیا۔ ان نظریات کے حامل اور مبلغ حضرات علماءِ اہلِ سنّت کی آج فتحِ عظیم تھی جس کا اقرار ان کے نظریاتی مخالفین کے صدر ابو الکلام آزاد نے بھرے مجمع میں صاف طور پر کیا۔

ہندو مسلم اتحاد کے داعین اور مبلغین کے اپنے ہی جلسہ میں انہیں اپنے سابقہ موقف کو غلط قرار دینا پڑا، ہنود کی محبت کو جزوِ ایمان قرار دینے والوں کو کس درجہ ذلت و شکست اٹھانا پڑی۔ علماءِ اہلِ سنّت کی ہیبت اور ان کے مؤاخذہ کی شدت کے باعث برسرِ عام، ہندوؤں کی دلداری بھول کر یہ ان کہی کہنے لگے کہ "اگر ہندوستان کے بائیس کروڑ ہندو سب کے سب گاندھی ہو جائیں اور مسلمان اُن کو اپنا راہنما بنائیں تو یہ سب بُت پرست ہیں اور وہ سب کے سب بُت اور گاندھی ان کا بُت۔" [1]

ابو الکلام کے اس بیان کے بعد، جماعت رضائے مصطفےٰ کے وفد کی زبردست فتح و کامرانی اور اکابرِ جمعیۃ العلماء کی شکست فاش کو مجمع نے بچشمِ خود ملاحظہ کیا۔ یہ فتح درحقیقت دو قومی نظریہ کی عظیم فتح تھی، اب مزید کسی اور دلیل کی ضرورت نہ رہی تھی۔ جمعیۃ العلماء کے اکابر کی بے بسی واضح تھی، مجسمۂ عبرت بن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے کہ

ع صنم کی یاری میں دیں بھی ہاتھ سے گیا

---

[1] دوامِغ الحمیر: ص ۵۵، رودادِ مناظرہ: ص ۹ اور ۱۸

تقریر کے دوران ابوالکلام بید کی طرح لرز رہے تھے[۱]، اپنے اوپر لگائے گئے الزامات سے برّیت ظاہر کر رہے تھے، کبھی کہتے: گاندھی کی تعریف میں ذات مقدّس، کے الفاظ میں نے استعمال نہیں کئے، کبھی کہتے: کس نے قشقہ کھینچے کی اجازت دی، کس نے گاندھی کو مہاتما (مہاتما کا مفہوم ہے روحِ اعظم) کہا، کس نے اس کی 'جے' پکاری، کس نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو گاندھی نبی ہوتے، کس نے ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا[۲] —— وغیرہ، گائے کی قربانی پر پابندی کے مطالبے اور مولانا محمد امجد علی رضوی کے ستر سوالات کا ذکر تک نہ کیا،

---

[۱] اس واقعہ کو مناظرہ کے عینی شاہد، رکن جماعت رضائے مصطفےٰ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: دوا مغ الحمیر، ص ۵۶، رودادِ مناظرہ، ص ۱۹

[۲] ان کفری حرکات وکلمات کا صدور جمعیتُ العلماءِ ہند کے اکابر اور تحریکِ خلافت کے لیڈروں سے بارہا ہوا، ان سے کسی بھی مؤرخ نے انکار نہیں کیا —— واقعات سے چشم پوشی ابوالکلام کی کمال حیلہ سازی ہے۔ ان غیر اسلامی کلمات و حرکات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

(ا) پاسبانِ مذہب وملت (تحقیقات قادریہ) از محمد جمیل الرحمٰن خان مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء

(ب) مسلم انڈیا از کاشس البرٹی مطبوعہ لاہور ۱۹۴۲ء

(ج) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور تحریکِ آزادی از پروفیسر احمد سعید مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء

(د) سیاستِ ملیہ از محمد ابین زبیری مطبوعہ آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۱ء

(ھ) ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور شمارہ نومبر ۱۹۷۷ء (انٹرویو: مولانا محمد فضل قدیر ندوی)

(و) اللہ بخش، پروفیسر The Ahl-e Sunnat Movement in British India (1880-1921) Lahore: Islamic Propagation Centre, 1996.

حالانکہ یہی سوالات موضوعِ مناظرہ تھے۔[1]

کفری اور غیر اسلامی حرکات سے قطعاً انکار پر مولانا برہان الحق[2] (خلیفہ امام احمد رضا) نے خلافت کانفرنس، ناگپور سے ایک ماہ بعد تک کے اخبار زمیندار، لاہور کے شماروں کا حوالہ دے کر ابو الکلام سے فرمایا کہ دیگر لیڈروں کی طرح آپ

---

[1] صدر الشریعۃ مولانا امجد علی کے ستر سوالات بنام "اتمام حجت تامہ" کا جواب آج تک ہندو مسلم اتحاد کے داعین و مبلغین کے ذمہ قرض ہے۔ مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا خاں مدظلہ الاقدس (ابن و خلیفہ امام احمد رضا) لکھتے ہیں:۔

"اگر اب بھی آپ اپنی ضد، اپنی بے جاہٹ سے باز نہ آئیں اسی پر جمے رہیں تو مہربانی فرما کر دو سال قبل سے آج تک کے جو امور جواب طلب آپ کے ذمے ہیں جو پہاڑ آپ پر سوار ہیں اُن کے جواب لیجئے اور نہ سہی صرف اتمامِ حجت تامہ ہی کے فقط ستر سوالات سے سبکدوشی حاصل کیجئے۔

(طرق الھدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد مطبوعہ بریلی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء، ص ۷۵)

[2] آپ نے مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کے لیئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، اس کا کچھ اندازہ "مکاتیب بہادر یار جنگ" سے ہوتا ہے۔ نواب بہادر یار جنگ (م ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۴ء) میں مفتی محمد برہان الحق جبلپوری مدظلہ العالی کو لکھتے ہیں:۔

"یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ حضرات نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کے اجلاس کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی ہے میں اس عنایت کے لیئے سب کا ممنون ہوں" (مکاتیب بہادر یار جنگ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۴۰ ۵)

آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے ٹکٹ پر جبل پور (صوبہ سی۔ پی) کے حلقہ سے ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۶ء میں دوبار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں "قرار دادِ پاکستان" کی منظوری کے بعد ملک کے طول و عرض (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

سے بھی ایسے کلمات صادر ہوئے ہیں؛ ان سے انکار ممکن نہیں۔

ابو الکلام آزاد نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ ان حرکات سے سرے سے لاعلمی کا اظہار کر دیا جائے، چنانچہ کھڑے ہو کر کہا: "لعنۃ اللہ علیٰ قائلہ"

مولانا سید سلیمان اشرف نے ابو الکلام آزاد کے انکار پر ایک ایک غیر اسلامی حرکت کو حوالہ سے ثابت کیا اور فرمایا کہ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے جوش میں جب آپ کے ساتھی، نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر ان غیر اسلامی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں تو آپ کو سختی سے منع کرنا چاہیئے۔ آپ کا سکوت آپ کی رضامندی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر آپ ان غیر اسلامی حرکات سے رجوع کریں تو ہم خدمت و حفاظت مقاماتِ مقدسہ و خلافت اسلامیہ میں آپ کے ساتھ ہیں۔

اس کے بعد مولانا حامد رضا خاں بریلوی (صاحبزادہ و خلیفہ امام احمد رضا) نے فرمایا کہ "مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور خلافتِ اسلامیہ کی خدمت ہر مسلمان پر

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گزشتہ) میں دورے کئے۔ سرحد، پنجاب اور سندھ میں تحریکِ پاکستان کو مقبول بنایا اور حصولِ پاکستان کیلئے سخت جدوجہد کی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی آپ کی مساعی جمیلہ کو سراہا اور شکریہ کے خطوط تحریر کئے۔ مولانا موصوف کے نام وہ اپنے مکتوب مؤرخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء میں لکھتے ہیں:

"......... I thank you for your inviting me but our people must go on organising themselves on their own. I emphasise particularly the economic and educational sides of our activities."

نوٹ: ڈاکٹر اوشا سانیال نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس دہلی سے شائع ہونے والی اپنی گراں مایہ انگریزی کتاب "ڈیووشنل اسلام اینڈ پالیٹکس ان برٹش انڈیا" (مطبوعہ ۱۹۹۶ء) میں اہلِ سنت ڈیبیٹس آن پاکستان کے باب میں مولانا برہان الحق جبلپوری (۱۸۹۲ء-۱۹۸۴ء) کا ذیلی عنوان قائم کر کے آپ کی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (قادری)

بقدرِ وُسعت فرض ہے اس سے کسی کو انکار نہیں، اسی طرح تمام کُفّار و مُشرکین سے ترکِ مُوالات بھی فرض ہے۔ آپ کی خلافِ شرع حرکات میں سے کُچھ کا بیان تو سیّد سُلیمان اشرف کی تقریر میں آچکا ہے، باقی کا ذِکر جماعت رِضائے مُصطفےٰ کی طرف سے شائع شُدہ اشتہار بعنوان "اِتمامِ حُجّت تامّہ" میں ہے وُہ اِشتہار آپ کو پُہنچ چکا ہے۔ آپ جب تک اِن تمام حرکات سے رجوع نہ شائع کریں گے ہم آپ سے علیحدہ ہیں۔" (ملخصاً)

ابُوالکلام آزاد نے وعدہ فرمایا کہ "مُنافی دین اور غیر اسلامی حرکات سے بیزاری کا اعلان ہم جلسہ کی رُوئداد میں شائع کر دیں گے۔"[1]

کاش! ایسا ہو جاتا تو اس سے بے شُمار فوائد حاصل ہوتے۔ مُتّحدہ قومیّت کی تحریک دب جاتی، انگریز اور ہندو کے مکر و فریب کا کُلیتہً ابتدا ہی میں خاتمہ ہو جاتا، کانگرس[2]

---

[1] رووداد مناظرہ، ص ۱۰ اور ۲۰، خیات صدرُ الافاضل، ص ۱۶۸

[2] اور سادہ لوح مُسلمانوں کا ایک طبقہ فریب کی زد میں نہ آتا کیونکہ "ہندوستانی مسلمانوں میں اپنی قومیّت کے تعلّق سے شُکوک و شُبہات اسی وقت کی یادگار ہیں ..... کہ عُلماء کا ایک طبقہ بھی اس کے (کانگریس کے) نظریات و مقاصد سے مُتفق ہو کر اس کی تحریک میں شامل ہو گیا اور لاشعوری طور پر ہندو قومیّت کے لیے زمین ہموار کرنے لگا۔" (عقیل، ڈاکٹر معینُ الدین۔ "اقبال اور جدید دُنیائے اسلام" ص ۲۶۸-۲۶۹) ــــ اور مُسلمانانِ برِعظیم پاک و ہند نے پھر یہ دن بھی دیکھا اور بقول چودھری خلیقُ الزّمان ــــ کہ وُہ (جمعیّۃُ العُلماءِ ہند) اس زمانہ (۱۹۳۱ء) میں بجائے خلافت یا مُسلم لیگ کے کانگریس کے ساتھ اپنا سمبندھ زیادہ ضروری سمجھتی تھی۔ کیونکہ کانگریس کے ۱۹۳۱ء کے سالانہ اجلاس کراچی میں یہ قرار پایا تھا کہ کوئی شخص کسی ایسی جماعت کا ممبر نہیں رہ سکتا جس کے مقاصد کانگریس سے مُتصادِم ہوں۔ دراصل دو قومی نظریہ کا سوال کانگریس نے اپنی اسی تجویز سے کھڑا کر دیا تھا کیونکہ اب عام طور پر مُسلمانوں کو مجبُور کر دیا گیا کہ وُہ کسی مُسلم سیاسی جماعت کے اگر وُہ کانگریس میں رہنا چاہتے ہیں ممبر نہ بن سکیں۔ بہت سے مُسلم لیگی اس کے بعد کانگریس سے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے پروگرام کے مطابق کام کرنے والے علماء تحریکِ پاکستان کے سپاہی بن جاتے اور علماءِ اہلِ سنّت اور اکابرِ جمعیت العلماءِ ہند کے درمیان اختلافات ختم ہو جاتے۔ ابُوالکلام آزاد نے غیر اسلامی حرکات سے رجُوع کا وعدہ پورا نہ کیا اور نہ ہی تحریکِ پاکستان کی نظریاتی جنگ لڑنے والوں کی صفوں میں شمولیّت کی بلکہ ہمیشہ کے لیے کانگرس کے بن کر رہ گئے۔

چُونکہ جمعیتُ العلماءِ ہند کے اجلاس میں ہونے والا مناظرے کا اسٹیج بھی جمعیّت کا اجلاس تھا، اس لئے تاریخی طور پر یہ ذمہ داری جمعیتُ العلماءِ ہند کی تھی کہ مناظرہ بریلی کی رُوداد شائع کرتی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ہونے کے اعتبار سے جمعیّت کی طرف سے مُرتّب شُدہ رُوئداد مناظرہ میرے علم میں نہ آئی، شاید اپنی تاریخی شکست پر پردہ ڈالنے اور اپنی عظیم خفّت کو مٹانے کی غیر مُورخانہ کوشش کا ایک حصّہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

الگ ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمعیّت العلماء اسی دن کی مُتلاشی تھی اور کانگریس کی اس تجویز کے بعد ان کی بہت بڑی تعداد کانگریس میں گھس گئی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ وہاں ان کی بہت آؤ بھگت ہونے لگی۔ یُوں تو ۱۹۲۳ء کے بعد ہی سے جمعیتہ العلماء دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک جمعیتہ العلماءِ کانپور جس کی بُنیاد مراد آباد میں پڑی تھی اور دُوسری جمعیتہ العلماءِ دہلی کی تھی ...... اور اس جمعیتہ العلماء نے اپنی سیاسی پالیسی کانگریسی نوازی پر قائم کر لی۔ گو وہ اس زمانہ میں مجھ سے بہت قریب تھی کیونکہ میں کانگریس میں خاصا مقبول تھا۔"

(خلیقُ الزمان، چودھری، "شاہراہِ پاکستان" مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ۔ ص ۹۶ - ۹۷)

عہ اس کا تفصیلی جائزہ ہم نے کتاب کے حصّۂ دُوم میں پیش کیا ہے ۔ (قادری)

(حاشیہ صفحۂ ھٰذا)

۱؎ مولانا ابوالکلام آزاد نے بذاتِ خود بھی "خلافت کانفرنس" یا "جمعیت العلماءِ ہند" کے پلیٹ فارم سے سرانجام دی جانے والی سرگرمیوں کا ذکر اپنی اہم تصنیف "انڈیا ونس فریڈم" میں کرنا مناسب

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

جماعت رضائے مصطفےٰ کا وفد بحمدہٖ تعالیٰ اپنے موقف میں عظیم فتح پاکر لوٹا۔ ہر طرف سے علماءِ اہلِ سُنّت کو مُبارک بادی کے پیغام آنے لگے، اور شدید مُطالبہ ہُوا کہ اس تاریخی اجلاس کی مکمل رُوداد شائع کر دی جائے۔ چُنانچہ جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی نے اس اہم تاریخی اجلاس کی کارروائی کو "رُوداد مُناظرہ" کے نام سے شائع کیا جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، ہم اس مطبُوعہ رُوئیداد کا عکس شامل کر رہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گزشتہ)

نہیں سمجھا جو ایک غیر مؤرخانہ کوشش ہے۔ چُنانچہ ان کے ایک مُعاصر اپنی کتاب کے دیباچے میں رقمطراز ہیں کہ ــــــ

"مولانا (مولانا ابوالکلام آزاد) نے کہیں خلافت کمیٹی یا اپنے اور اسلامی مشاغل کا اپنی تصنیف ("انڈیا ونس فریڈم") میں ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ ان کی تصنیف کی بسم اللہ ۱۹۳۹ء سے ہوتی ہے جبکہ وُہ کانگریس کے صدر ہو چکے تھے اور ان کے لیئے یہ کوئی نیا اعزاز نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے وُہ ۱۹۲۳ء میں بھی کانگریس کے صدر منتخب ہو چکے تھے۔ اپنی اس تصنیف میں تھوڑا سا ذکر یُونہی بالواسطہ انہوں نے (تحریکِ خلافت و ترکِ مُوالات کے دیرینہ رُفقاء) مولانا محمد علی و شوکت علی اور مولانا عبدالباری (فرنگی محلی) کا بھی کیا ہے جس میں انہوں نے ان تینوں حضرات پر اور نیز حکیم اجمل خاں صاحب پر بہت بُرے انداز میں نکتہ چینی کی ہے .... بعض بعض مواقع پر انہوں نے کچھ غلط واقعات بھی درج کر دیئے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے لوک سبھا میں مولانا کے ایسے بیانات کی تردید کر دی ہے"۔

(خلیق الزمان، چودھری۔ "شاہراہ پاکستان" ص ۲۷-۲۸)

ممتاز محقق جناب محمد حسن اعظمی

فاضل جامعہ ازہر کی معرکۃ الآراء کتاب

حقیقۃ پاکستان اکبر دولۃ اسلامیۃ فی العالم

مطبوعہ مصر سے ایک اقتباس

و أول القائمة لهؤلاء الدعاة هم مع الاسف المضنى والحزن الأليم بعض المأجورين من المولوية و بعض مشايخ الطرق و أفراد ممن اشتهروا بالتفسير والحديث ولا مفر لنا من ذكر بعض أسمائهم ليعرفهم التاريخ و ليحذرهم المسلمون إن كانوا لا يزالون أحياء و يعتبروا بهم إن كانوا الموتى، و أحدهم عطاء الله شاه بخارى الذى كان فى بداية أمره طالبا يدرس كتاب الهداية المعروف فى كتب الحنفية، ولما وصل فى دراسته إلى نصف الكتاب انقطع في منتصف طريق الهداية وولى وجهه شطر السياسة واشتهر أمره كخطيب شعبي و كان يخطب سبع ساعات متواصلة ضد الوحدة الإسلامية والقائد الأعظم و كان يتجول فى جميع الأنحاء لبث الفتنة لخدمة الدين ولا أعني دين الاسلام و لكن دين السياسة الانجليزية التى كانت تغدق عليه من النفقات ما يكفى لطمس معالم ضميره۔

أما الثانى فهو حسين أحمد المدنى شيخ الهند المزعوم و مدير جامعة ديوبند الدينية المعروفة و كان بحكم مركزه يتمتع بنفوذ بعيد المدى، و قد استغلت السلطات البريطانية هذا الشيخ الوقور لايقاظ فتنة التفريق كلما انطفات نارها كان باسم الصحابة يقيم كل يوم حربا بين السنية والشيعة فلما ظهرت فى الأفق دعوة القائد الأعظم كان هو مرة أخرى لسان الفتنة لخدمة المؤتمر الهندوكي أما مرتبه في المصروفات السرية فهو ثلاثمائة روبية عدا نفقات بدل السفر والانتقال، وقد عرف المسلمون ذلك من وثيقة ضبطت قبل وصولها و هى رسالة بعث بها نهرو إلى أمين صندوق المؤتمر يقول له فيها ادفعوا ثلاثمائة روبية من مصاريف المؤتمر غير المنظورة إلى الشيخ حسين أحمد المدنى و الحذر من التأخير فإن توقف مرتبه في شهر واحد يكفي لتغيير موقفه منا........

و ثالث الثلاثة أبو الكلام آزاد خريج الأزهر الذى لم يدخله، و عالم العربية التي لا يعلم بها ابن أحد مشايخ الطرق في كلكتة ورأى أن احتراف التصوف لا يغدق عليه الثروة التى يطلبها۔ و ان ادعاء العلم يكسبه جاها و سمعة وثراء........

و هو لاء المنافقون الثلاثة كانوا يشنون الحرب على القائد الأعظم و يكتبون ضده المقالات و يعلنون الفتاوى بتكفيره وكان هو يأمر المسلمين بأن لا يجيبوهم فإن الجواب عند المنافق هو السكوت و لكنه مالبث المسلمون أن فهموا حقيقتهم والكشف ثقافتهم للقريب والبعيد۔

حضرت مولانا المحترم جناب مولوی شاہ ...

اور

مسٹر ابوالکلام آزاد سے

۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ کو اندرون جلسہ جمعیۃ العلماء بریلی میں ہوا

مسمی بہ

روداد مناظرہ

مرتبہ

شعبہ علمیہ جماعت رضائے مصطفےٰ علیہ افضل الصلاۃ والثنا بریلی

خانقاہ عالیہ رضویہ

جسکو

باہتمام سید انتظام علی ناظر

قیمت

۲

روداد مناظرہ

جناب مولٰنا مولوی سید سلیمٰن اشرف صاحب و مولوی ابوالکلام صاحب آزاد اندرون جلسہ جمعیۃ العلما بتاریخ ۱۳، ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ بمقام بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جمعیۃ العلما کی جانب سے جلسہ بریلی کے اعلان کے لئے متعدد اشتہار شائع کیے جن میں مخالفین پر اتمام حجت کیا جانا اپنا مقصد ظاہر کیا۔ جماعت رضائے مصطفٰی کی طرف سے اوس کے صدر شعبہ علمی نے ۱۰ رجب روز دوشنبہ کو ایک اعلان مناظرہ بنام اتمام حجت تا مہ ستر سوالات پر مشتمل شائع کیا اور ایک معزز وفد کے ہاتھ یہ مطبوع اعلان ناظم جمعیۃ العلما کے پاس بھیجدیا وفد کی تمام کارگزاریاں اشتہار عنوانی (معززین اہلسنت کی توجہ ضرور ہے) میں ۱۲ رجب کو شائع ہو چکیں اسمیں بھی طلب مناظرہ کا شدید تقاضا تھا جب متواتر مطبوعہ تقاضوں پر ادھر سے صدائے برنخاست تو ۱۳ رجب کو بوقت ۹ بجے پھر ایک خط بطلب مناظرہ و تعیین وقت مولٰنا مولوی ظفر الدین صاحب مولٰنا مولوی امجد علی صاحب۔ مولٰنا مولوی حسنین رضا خاں صاحب نے صدر جمعیۃ العلما مولوی ابوالکلام صاحب آزاد و عبد الماجد صاحب بدایونی ناظم جمعیت کے نام جلسہ عام میں بھیجا اسوقت مولٰنا مولوی سید سلیمٰن اشرف صاحب بھی تشریف لے آئے تھے اونہوں نے بھی طلب مناظرہ میں اپنے دستخط فرما دیے پھر منفرد خط بھیجا جس کا ذکر آگے آتا ہے اس خط جماعت کا بھی جواب اون لوگوں نے نہ دے سکتے تھے نہ دیا مگر یہ مناظرہ کا جو تقاضا مطالبہ تھا جسکا جواب ۱۴ کی شب میں مولوی ابوالکلام صاحب صدر کی ایک عجیب تحریر آئی جسمیں اتمام

۳

حجت تامہ کے ستر سوالات کے جواب دینے سے صاف اعراض اور قطعی گریز کرتے ہوئے اپنی غرض
سے ایک جدید فرضی و اختراعی مورد بحث مسئلہ تحفظ و صیانت خلافت اسلامیہ و ترک موالات
و اعانت اعداء محاربین اسلام وغیرہ ایجاد کر کے اعلیحضرت قبلہ سے مناظرہ طلب کیا۔ ان امور کو
محل نزاع ٹھہرانا محض بے بنیاد اور غلط و باطل صریح مغالطہ تھا اعلیحضرت کی متعدد تحریریں
آٹھ سال سے اب تک شائع ہوتی رہیں جنہیں تحفظ و صیانت مملکت اسلامیہ و مقامات مقدسہ کو ہر
مسلمان کے لیے فرض و ضروری اور موالات و اعانت جملہ مشرکین و کفار کو ممنوع و حرام بلکہ منجر
بکفر بتایا ہے لہذا یہ مسائل کسی طرح بحث کی صلاحیت نہ رکھتے تھے امور بحث طلب وہی تھے
جنسے مولوی ابوالکلام صاحب نے اعراض کیا اور تحفظ و صیانت غیر مختلف فیہ مسائل کو اپنے گریز کا پردہ
بنایا دوسری پہلو تہی یہ کی کہ حضرت امام اہلسنت پر مناظرہ ٹالا اور حضرات اربعہ جو طالب
مناظرہ ہوئے اونکے مناظرہ سے مونھ چھپایا حالانکہ اون کے اعلانوں میں عام مخالفین کا ذکر
تھا مولوی ابوالکلام کا بحث بدلنا امور غیر متنازع فیہ میں مناظرہ چاہنا امور متنازع فیہ سے
قطعًا اعراض کرنا مناظرین سے مونھ چھپانا ہر ناگفتنی حیلہ سے مناظرہ ٹالنا قابل ملاحظہ ہے مولوی
ابوالکلام صاحب کی مشہور زبان زوری سے یہ حرکات بہت تعجب ہوتیں مگر درحقیقت اونکی
کمزوری اس پردہ میں جھوڑ کرہی تھی پھر بھی مناظرین نے اونکی کسی پہلو تہی پر خیال نفرما کر اپنی
کوشش تحقیق حق کو غیر متزلزل رکھا اور اخیر وقت دو خط بھیجے ایک جماعت مناظرین اصحاب
اربعہ نے دوسرا خاص جناب مولنا مولوی سید سلیمن اشرف صاحب بہاری نے مولوی عبد الماجد
بدایونی ناظم جمعیۃ العلما اور مولوی عبد الودود صاحب سکرٹری کمیٹی استقبالی کے نام اپنے
مناظرہ کا۔ جماعت کے خط کا مولوی ابوالکلام صاحب نے پھر کوئی جواب نہ دیا نہ جب نہ آج تک
اور بعونہ تعالے قیامت تک نہیں دیسکتے اں مولوی سید سلیمن اشرف صاحب کو اونکے
خط کا جواب عبد الودود صاحب نے یہ دیا کہ ہر کس و نا کس سے نزاع و مخاصمہ کرنا خدام ملت کے
نزدیک بے نتیجہ اور بے سود ہے اور وہی گریز جو مولوی ابوالکلام صاحب نے کی تھی اس خط کا
جواب ۲۰ رجب وقت صبح مولوی سید سلیمن اشرف نے یہ دیا کہ جلسہ جمعیۃ العلما منعقدہ بریلی کا
رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بھیجا فقیر نے شرکت سے قبل امر ما بہ النزاع کا تصفیہ چاہا آنجناب

اس بے بضاعت کو ناکس قرار دیکر گفتگو سے اعراض فرماتے ہیں امام اہلسنت مجدد مائۃ
حاضرہ سے طالب مناظرہ ہوتے ہیں انصاف شرط ہے کہ رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بلاواسطہ
بھیجا جائے اور گفتگو کی جب نوبت آئے تو اوسے کس وناکس کہا جائے اوس کے احقاق
حق کو نزاع ومخاصمہ قرار دیا جائے کیا یہی شیوۂ خدام ملت ہے آخر میں نہایت ادب سے
گزارش ہے کہ براہ کرم قبل نماز جمعہ فقیر کو اپنے جلسے میں بحیثیت سائل حاضر ہونے کی اجازت
عطا فرمائیں۔ جماعت مناظرین اصحاب اربعہ نے مولوی ابوالکلام صاحب کو پھر تقاضائے جواب
چھٹی بار طلب مناظرہ وتعیین وقت کا اور خط بھیجا۔ جماعت کے اس خط کا اونھوں نے حسب دستور
کوئی جواب نہ دیا البتہ مولوی سید سلیمن اشرف صاحب کو جوابی تحریر دی جسمیں وہی گریز اختیار
کی اور امور غیر متنازع فیہا کا سور وبحث ہونا شرط مناظرہ قرار دیا اور امور متنازع فیہا ضروری
البحث واصل منشاء خلافت میں مناظرہ سے یہ کہکر صاف انکار کردیا کہ ان امور (غیر متنازعہ)
کے علاوہ فی الحال دوسرے مباحثات سے اس مناظرہ کو کچھ علاقہ نہوگا۔ یہ حیلہ حوالہ اور ٹال مٹول
دیکھکر بھی کیا یہ واضح ہوجانے میں کوئی کسر رہگئی تھی کہ جمعیۃ العلما کے ارباب اقتدار اپنی اور
کارکنان خلافت کمیٹی کے ضلالات وبطالات میں مناظرہ سے عاجز ہیں صرف حیلہ حوالہ لگاکر
وقت گزارنا مقصود ہے۔ تاہم مسلمانوں کی ہدایت اور اتمام حجت کیلئے مولنا سید سلیمن اشرف
صاحب اپنے انفرادی خط کی بناپر اور مناظرین خدام آستانۂ رضویہ اپنے مطالبۂ پنج یوم کامل کی
بناپر مناظرہ کے لئے جمعیۃ العلما کے پنڈال میں بعد شام بہت شان وشوکت کے ساتھ پہنچے ہزاروں
مسلمان اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے اور آگے آگے نعت خوان نعت شریف پڑھتے ہمراہ تھے
یہ جماعت کی طرف سے مناظرہ کا ساتواں مطالبہ تھا۔ منتظمین جلسہ جمعیۃ العلما نے علمائے کرام کو نہایت
احترام واحتشام کیساتھ لیجاکر اپنے مقام صدر پر بٹھایا مولوی احمد سعید دہلوی تقریر کررہے تھے
اونھوں نے اپنی تقریر میں اپنی پوری کوشش مجمع کو اپنے موافق جوش دلانے میں صرف کردی تاکہ
ہمارے مناظرین کی تقریروں سے عوام کچھ اثر نلیں تقریر ختم ہونے پر مولانا سید سلیمن اشرف صاحب
کو صدر جلسہ مولوی ابوالکلام صاحب نے ۴۵ منٹ کا وقت دیا لیکن اصحاب اربعہ مناظرین جماعت
رضائے مصطفےٰ کو وقت نہ دیا گیا مولوی سید سلیمن اشرف صاحب نے یوں تقریر شروع کی حضرات

۵

فقیر کی حاضری کی غایت اور خطاب کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ نہایت وضاحت اور صراحت سے امر مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف کو آپ حضرات کے سامنے پیش کردوں۔

مسئلہ خلافت وتحفظ وصیانت اماکن مقدسہ اور ترک موالات یہ وہ مسائل ہیں جنمیں نہ صرف یہ فقیر بلکہ تمام علمائے کرام نہیں بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں۔ ترکوں کی خلافت یعنی قوت وفاعی ایک امر مسلم ہے خدمت حرمین شریفین ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے نیز محافظت حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے سلطنت ترکی علاوہ ازیں کہ اسلام کی قوت دفاعی ہے ہم مسلمانوں کی طرف سے ان دونوں کے فریضہ کی انجام دینے والی ہے۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے انصر اخاک ظالما او مظلوما یعنی اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو عام ازیں کہ وہ ظالم ہو یا مظلوم صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مظلوم کی اعانت تو ظاہر ہے لیکن ظالم بھائیوں کی کیونکر مدد کریں فرمایا ظالم کا ہاتھ ظلم سے روکو یہ اوس کی اعانت ہے پس جبکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد پر مامور ہو تو پھر سلطان اسلام اور سلطنت اسلام کی نصرت واعانت کی اہمیت کا اسی سے اندازہ کر لیا جائے سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی اوس پر اسلامی سلطنت اور سپر اسلام کی قوت دفاعی پھر حرمین شریفین کی خادم ومحافظ بس اوسکی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ تمام مسلمانانِ عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔

حاضرین جلسہ۔ یہ وہ مسائل شرعیہ ہیں جسے نہیں صرف اسوقت بیان کر رہا ہوں بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے کہا لکھا چھاپا ملک میں شائع کیا۔ میرا و نیز دیگر علمائے اہلسنت وجماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں ہاں اختلاف اسمیں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام وکفریات کا مرتکب بناتے ہیں۔ تفصیل اسکی یہ ہے موالات ہر نصرانی ویہودی سے ہر حال میں حرام اور قطعی حرام یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیہود والنصاری الآیہ۔ نصرانی اور یہودی خواہ فریق محارب ہوں یا غیر محارب یا غیر محارب مطلقًا موالات اون سے حرام اور مطلقًا حرام۔

ہر کافر سے موالات حرام خواہ محارب ہو یا غیر محارب لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء

آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں سے موالات نہ صرف

جائز بلکہ عین حکم الٰہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ دلیل میں سورۂ ممتحنہ کی آیت لا ینھٰکم اللہ الآیۃ پیش
فرماتے ہیں کیا یہ کھلی تحریف نہیں آیت کریمہ میں کافر غیر محارب کے ساتھ اجازت بر و اقساط کی ہے
ذکر موالات کی یعنی محبت و اتحاد و خلوص و اخلاص جو آپ برت رہے ہیں براہ کرم آپ کسی
مفسر کسی محدث کسی فقیہ کا قول اس ثبوت میں پیش فرما دیں کہ بر و اقساط موالات کے مرادف
ہے یا یہ ثابت کیجیے کہ سورہ ممتحنہ کی یہ آیت ناسخ ہے اون آیات متعددہ کثیرہ کی جنمیں مطلقاً
ہر کافر و بیدین سے موالات کو منع فرمایا گیا ہے لفظ ولا و تولی جبکہ کلام پاک میں بکثرت
جابجا نازل ہوا پھر اس لفظ کا مفہوم و مصداق کیا علمائے مفسرین نے بیان نہیں فرمایا جو کچھ
علمائے دین نے اپنی تحقیقات سے موالات کے معنی بیان کیے ہیں اوس پر عمل پیرا ہوجیے نہ یہ کہ
اپنی طرف سے ایک معنی ایجاد کیجیے ہمیں بتایا جائے کہ اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسنے
سورہ ممتحنہ کی آیت کو ناسخ قرار دیا کسنے بر و اقساط کو مرادف موالات کہا آپ حضرات
نے بر و اقساط کو موالات کا مرادف قرار دیتے ہوئے بیشمار اقوال و افعال کفر و حرام کا
ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو اوسے عین تعمیل حکم الٰہی بتایا تفصیل اسکی اس آدھ گھنٹہ میں
ناممکن تعداد اونکی لفریبًا ۶۰ چند باتیں محض بطور مثال کے پیش کرتا ہوں سب سے پہلے جلسہ
خلافت کا دہلی میں منعقد ہوتا ہے مسٹر گاندھی اس جلسہ کے پریزیڈنٹ ہوتے ہیں مولوی
عبد الباری صاحب اشتہار تشکر و امتنان میں اسکا اعلان فرماتے ہیں کہ مسٹر گاندھی کی
تقریر سے یہاں تک متاثر ہوا ہوں کہ میں نے گائے کی قربانی اپنے یہاں سے اوٹھادی
پھر اسی قربانی کے مسئلہ کے لئے حدیث شریف میں تحریف ہوئی براہ کرم ارشاد ہو کہ انگریزوں
سے ترک موالات کیا اسی کا مستلزم تھا کہ مسلمانوں کی صدیوں کا حق ملکی اور مذہبی اصلاح
قربان کر دیا جائے مولوی عبد الباری صاحب یوں تحریر فرمائیں کہ میں نے مسٹر گاندھی جی کو
اونکو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی کرتا ہوں ؎

عمر کہ بآیات و احادیث گذشت رفتی و نثار بت پرستی کردی

کسی کافر کو پیش رو بنانا اور کسی کافر کا بہرو بننا بت پرستی پر آیات و احادیث کی عمر کو نچھاور
کرنا حرام ہے کفر ہے آپ کے رکن نے بیان کیا اخباروں میں چھپا اور شائع ہوا کہ دوستو

۷

خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اگر دین نہیں تو دنیا تو ضرور ملجائے گی کیا یہ صریح کفر نہیں حق سبحانہ فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اس آیت پاک میں حق سبحانہ نے جسے رسی ڈوری ارشاد فرمایا ہے کیا اوسے مضبوط پکڑنے کو ارشاد فرمایا ہے تاکہ دنیا ملے دین کھو کر جو دنیا کہ حاصل کیجائے وہ ممنوع ہے ارباب دین کے پاس دنیا خدمتگزاری دین کے لئے ہے ذکر کہ دنیا کمانے کے لئے آپ نے قشقہ لگایا گاندھی کی جے ایک دو جگہ ایک دو بار نہیں بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں بار پکاری کہ مہاتما گاندھی کی جے جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے کیا قشقہ علامت شرک نہیں کیا آپکی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگائیے آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کرکے ہمارے جذبات ابھارتے ہیں مگر کیا ہندوؤں نے آرہ شاہ آباد کٹار پور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے قرآن مجید نہیں پھاڑے۔ عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی۔ مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں۔ آج آپ سبز گنبد کی بے ادبی ہونے سے غیرت دلاتے ہیں مگر کیا آپ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی جبکہ یہ کہکر دربار نبوت و رسالت کی اہانت کی گئی کہ اگر نبوت ختم نہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ آپ نے اسپر کیوں نہ انکار کیا کیوں خاموش رہے۔ ہندوستان میں ہمیں بھی ہندوؤں سے کم رہنے کا حق نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانے میں ہم یہاں آئے اسلامی فوج کے ایک دستہ نے مقام تہانہ پر حملہ کیا دوسرے نے دیبل پر اور اسوقت میں ہمنے اپنے خون بہا کر ہندوستان میں رہنے کا حق حاصل کیا ہم اور ہندو دونوں ہندوستان کے ملکی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اور اس[1] مفاد ملکی کے حصول کے لئے ہندو ہمارے ساتھ ملکر کوشش کر سکتے ہیں۔ آپ ملکی مفاد اور بہبود کے لئے ملکر کوشش کیجئے۔ مگر جہاں سے مذہبی حدود آئیں مسلمان الگ اور ہندو الگ ہم اپنے مذہب میں ہندوؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے غرض مقامات مقدسہ و خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں خلاف نہیں ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے اس سے ہمیں خلاف نہیں خلاف اون حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی و مخالف دین کر رہے ہیں ان حرکات کو دور کر دیجئے ان سے باز آئے انکی روک تھام کیجئے عوام کو ان سے باز رکھئے تو

؎ ہے کہ بعد بھی دین سے محرومی کا خیال گذر سکتا ہے کیا وہ ڈوری اسلئے مضبوط پکڑنے

[1] اس فقرے سے ہمکو اتفاق نہیں ۱۲ منہ

خلافت اسلامیہ و ممالک مقدسہ کی حفاظت ہندوستان کی ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپکے ساتھ ملکر کرنے کو تیار ہیں"۔

جناب مولوی سید سلیمان اشرف صاحب کی اس تقریر کے بعد ابوالکلام صاحب کھڑے ہوئے اور یہ تقریر کی کہ مجھے مولوی سلیمان اشرف صاحب اپنے دوست قدیمی کے اگرچہ اب وہ مجھے فراموش کرچکے ہوں گے اس طرح سنجیدگی و صفائی سے اپنے امور مابہ النزاع ظاہر کرنے سے بہت مسرت ہے۔ مگر مجھے ثابت ہوگیا کہ ہمارے دوست کو غلط فہمی ہوئی ہے اور جناب مولوی سلیمان اشرف صاحب پر دو الزام قائم کئے ایک بسبب حجرہ نشینی واقعات سے بےخبری کا۔ دوسرے بے تحقیق و تفتیش حال مجرد اخبار پر مواخذات کی بنا کرنے کا جسکی مثال میں خود اپنی نسبت یہ واقعہ بیان کیا کہ لوگوں نے یہ خبر اوڑائی ہے کہ میں نے ناگپور کے خلافت کیمپ میں نماز جمعہ کے خطبہ اولیٰ میں مسٹر گاندھی کی تعریفیں ستودہ صفات خجستہ ذات وغیرہ الفاظ کہے حالانکہ یہ محض افترا ہے مجھپر اور کہا کہ یہاں کسنے قشقے کی اجازت دی۔ کسنے مہاتما گاندھی کی جے پکارنے کو کہا۔ بلکہ میں خود تو مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے۔ بلکہ یہ سمجھتا تھا کہ ہندوؤں کے کچھ لقب وغیرہ ہوتے ہیں جو اون کے ناموں کے جزء ہو جاتے ہیں لوگ اوسے مہاتما کا نعوہ ز تکلم معنی تعظیمی کو ملحوظ رکھکر نہیں کرتے ہمارے یہاں کے کس ذمہ وار شخص نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ یہ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے اور جے قشقہ وغیرہ حرکات مخالف دین پر ہم سخت لفریں کرتے اور برا جانتے ہیں ہرگز ہمنے انکی اجازت نہیں دی بلکہ شوکت علی کے تلک کی ارتھی کو کاندھا دینے کی خبر مجھے کلکتے میں ہوئی تو میں نے بذریعہ تار اون کو تلقین توبہ کی پھر ہم پر عوام کی حرکات سے کیا الزام جبکہ نہ خود ہمارے یہاں کے ذمہ دار اشخاص اونھیں کرتے ہیں نہ عوام کے لئے اونھیں روا رکھتے ہیں۔ نفس موالات تمام کفار سے خواہ وہ حربی ہوں یا غیر حربی یقیناً حرام اور ممنوع ہے اور ہم کب اسے جائز بتاتے ہیں ہاں ہم خادمان ملت مقاصد صالحہ حمایت سلطنت و مقامات مقدسہ کے لئے ہنود سے ایسی صلح جس سے ہمارے دین میں مداخلت نہیں ہوتی اور وہ خود اس پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں جائز جانتے ہیں قربانی گاؤ کے متعلق مواخذۂ مولانا سلیمان اشرف صاحب پر ابوالکلام صاحب خاموش گزر گئے

اور مولوی عبد الباری صاحب کے خط کے متعلق کہا کہ وہ صوفیانہ رنگ میں لکھا گیا ہے
لیکن ہم اس سے قطع نظر کر کے بھی کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا ہرگز پیشوا و رہنما نہیں
ہو سکتا۔ مسلمانوں کی پیشوائی و رہنمائی ایک ذات حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے لئے اور اونکی نیابت سے علما کے لئے ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو
بھائی بائیس کروڑ ہیں اگر وہ بائیسوں کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان اونکو اپنا پیشوا بنائیں
اور اونکے بھروسہ پر رہیں تو وہ بت پرست ہیں اور گاندھی اونکا بت۔ ابوالکلام کی تقریر
کے ختم ہونے پر مولانا برہان الحق صاحب نے فرمایا کہ اخبار زمیندار لاہور کے خلافت کانفرنس
ناگپور کے ایک ماہ بعد تک کے پرچے دیکھ لیجئے اونہیں لیڈروں کے جہاں مقولے گنائے
ہیں وہاں آپکی نسبت ہے کہ آپ نے کانفرنس کیمپ میں خطبہ جمعہ پڑھا اور اوسمیں گاندھی
کی تعریف کی جسکے الفاظ مجھے یاد نہیں مگر ماحصل یہ ہے کہ گاندھی کے صفات جمیلہ بیان کئے
اسپر ابوالکلام صاحب نے کہا کہ میں نے یہ پرچے نہیں دیکھے اگر اوسمیں ایسا لکھا ہو تو کذب بحت ہے
لعنۃ اللہ علے قائلہ۔ مولانا برہان الحق صاحب نے فرمایا آپ یہ تکذیب ہی طبع کرا کر شائع کیجئے
نیز اخبار تاج کے حوالے سے کہا کہ آپنے گنگا وجمنا کی سرزمین کو مقدس کہا۔ اس سے بھی ابوالکلام
صاحب نے سخت تحاشی کی اور لعنۃ اللہ علی قائلہ کہا۔ اب مولوی سید سلیمان اشرف صاحب جواب
دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور تقریر میں فرمایا کہ ابوالکلام صاحب مجھے حجرہ نشینی اور بے خبری
کا الزام دیتے اور کہتے ہیں کہ آیات میں تحریف کر کے ہنود سے موالات کس ذمہ دار شخص نے جائز
بتائی کیا حکیم اجمل خانصاحب ذمہ دار شخص نہیں پھر اونکا مطبوعہ خطبہ دیکھئے جسکی ہزاروں کاپیاں
شائع ہوئیں۔ دہلی کی جمعیۃ العلماء میں پڑھا گیا علماء کو اوسمیں مخاطب کیا۔ اوسمیں آیۂ ممتحنہ پڑھی
اور امام ابن جریر سے اوسکی تفسیر نقل کی اوسمیں تحریف کی اور اوس تحریف کی بنا پر علماء کو مخاطب
کر کے کہا کہ کیا اب بھی اس آیت میں ہنود سے موالات کا اثبات نہیں ہوا اگر اب بھی کوئی شخص
نہیں سمجھتا تو خدا اوسکو سمجھائیگا حضرات علماء نے یہ تحریر سنی اور سکوت کیا تو وہ سب ذمہ دار
ہوئے آپ کہتے ہیں کہ قشقہ وغیرہ حرکات کی ہمنے کب اجازت دی مگر آپنے عوام کے سامنے ہنود
سے اتحاد کو کیوں اسطرح مفصل و مشرح کر کے نہیں پیش کیا کہ ان امور میں اتحاد کرو اور ان امور

ہیں الگ رہو آپنے انکے سامنے مجمل صورت میں اتحاد پیش کیا جس سے وہ ان حرکات میں مبتلا ہوئے
پھر آپ ان حرکات کی ذمہ داری سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے ہولی کھیلی۔ صبغۃ اللہ کو
چھوڑ کر ہولی کا رنگ اختیار کیا آپنے کیوں نہ انھیں اس سے تاکید باز رہنے کی کی تو کیا آپکا سکوت
آپ پر ذمہ داری نہیں ڈالتا تو داپ کے شہر بریلی میں گاندھی کو سپاسنامہ پیش کیا گیا جسمیں گاندھی
کی نسبت کہا گیا ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست
کیا آپ حضرات نے اسپر کچھ انکار کیا آپکا یہ سکوت آپ پر الزام نہیں لاتا۔ مولوی عبد الباری صاحب بڑے ذمہ دار
عالم اپنے خط میں آپنے آپکو مسند دینی میں پس رو گاندھی لکھتے ہیں جو گاندھی کہیں اوسی پر آپنے اپکو عمل پیرا
بتاتے ہیں قرآن وحدیث کی تمام عمر اونپر نثار کرتے ہیں آپ ایک دو لفظ میں اونکے تاویل کریں گے خط کا
خط کیسے تاویل کریں گے **ابو الکلام صاحب ان سب الزامات پر خاموش رہے** مولوی
سید سلیمن اشرف صاحب نے اسی دوران میں عبد الماجد صاحب بدایونی کے شانہ پر ہاتھ رکھکر بہت
بلند آواز سے یہ الفاظ کہے کہ کہو یار تمھاری ہی کہید ہیں تمنے گاندھی کو کہا کہ خدانے انکو مذکر بناکر بھیجا ہے
یہ کفر ہے **عبد الماجد صاحب اس پر خاموش رہے**۔ اسکے بعد مولوی صاحبنے اپنی تقریر کو اسپر
ختم کیا کہ اگر آپ لوگ اپنی تمام منافی دین حرکات کو چھوڑ دینگے انسے اپنی بیزاری ظاہر کر دیں گے تو ہم خدمت
وحفاظت مقامات مقدسہ وخلافت اسلامیہ میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ابو الکلام صاحبنے وعدہ کیا کہ جلسہ
کی روئداد میں یہ سب شائع کر دیا جائے گا۔

اسکے بعد جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحبنے فرمایا کہ حرمین شریفین ومقامات مقدسہ وممالک
اسلامیہ کی حفاظت وخدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت وطاقت **فرض** ہے
اسمیں ہمیں خلاف نہ ہو نہ تھا۔ اسیطرح سلطان اسلام وجماعت اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام
نہ ہے نہ تھا۔ تمام کفار ومشرکین ونصاری ویہود و مرتدین وغیرہم سے ترک موالات ہم ہمیشہ سے
ضروری وفرض جانتے ہیں۔ ہمیں خلاف آپ حضرات کی اون خلاف شرع وخلاف اسلام حرکات سے
ہے جنمیں سے کچھ مولوی سید سلیمن اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر
سوال بنام اتمام حجت تامہ آپکو پہنچے ہوئے ہیں اون کے جواب دیجئے جبتک آپ اون تمام حرکات
سے اپنی رجوع نہ شائع کر دیں گے اور اونسے عہدہ برا ہولیں گے ہم آپ سے علٰحدہ ہیں اور اوسکے بعد

خدمت وحفاظت حرمین شریفین ومقامات مقدسہ وممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مگر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں مولوی ابوالکلام صاحب خاموش رہے اور تمام جمعیت تامہ کا تمام نشہ گویا اوڑ گئے گویا سنا ہی نہیں۔ اسی ضمن میں مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب نے خود مولوی ابوالکلام صاحب سے بالخصوص مخاطبہ فرماکر یہ جو کہا کہ "حضرت آپکو بھی تو اپنی حرکات سے توبہ کرنا ہے" [۱] اس پر ابوالکلام صاحب نے کہا کہ میری کیا حرکات ہیں مولوی حامد رضا خاں صاحب نے فرمایا کہ آپنے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف پڑھی۔ ابوالکلام صاحب نے اس سے سخت انکار کیا اور کہا کہ میری طرف یہ نسبت کذب ہے۔ اس کے بعد مرتضی حسن در بھنگی نے اپنی تقریر شروع کی جسمیں مولوی سلیمن اشرف صاحب اور جماعت خدام آستانۂ رضویہ پر یہ الزام اپنی شہادت کہکر لگایا کہ انھوں نے خدمت وحفاظت مقامات مقدسہ وممالک اسلامیہ سے اتفاق رکھتے ہوئے پھر بھی عملًا کیا خدمت انجام دی۔ در بھنگی صاحب کی اثناء تقریر میں مولوی عبدالماجد و عبدالودود صاحبان نے اس الزام پر خاص جماعت بریلی کی نسبت زور دیا۔ مولوی سید سلیمن اشرف صاحب نے ابوالکلام صاحب سے کہا کہ جناب اس کا جواب ہوگا۔ اور میں جسمیں آپکو بھی دیدینا ہوگا۔ ابوالکلام صاحب نے اولًا جواب کی اجازت دینے میں کچھ گفتگو کی مگر مولوی سلیمن اشرف صاحب کے معقول کردینے پر در بھنگی صاحب کی تقریر ختم ہونے پر کھڑے ہوکر اپنی تقریر میں مولوی سید سلیمن اشرف صاحب کی در بھنگی صاحب کے قائم کردہ الزام مذکورہ بالا سے اپنے ذاتی علم کی بناپر کامل برات ظاہر کی۔

جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب نے جماعت پر سے اس الزام کے دفع کے لئے ابوالکلام صاحب سے وقت چاہا مگر اونھوں نے ندیا اور اپنے جلسہ کی کارروائی شروع کردی یہ ہے وہ جو واقع ہوا اب جمعیت والوں کی حمیت دیکھیے اپنے اخیر دن اپنے اوس رقعہ کی نقل جو اعلیحضرت کے

---

[۱] حالانکہ یہ اخبار مشرق میں شائع اور مولوی عبدالباری صاحب پر سوالًا وارد ہونے کے علاوہ خود اون کے رکن رکین جناب مولوی احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی کی عینی شہادت ہے جسے وہ اپنے مضمون اظہار حق میں دبدبہ سکندری والسواد الاعظم میں شائع فرما چکے ابوالکلام صاحب ہر جگہ کانوں پر ہاتھ دھرنے سے کام لیتے ہیں یہی برات ہو تو نہ کبھی کسی چور پر چوری ثابت ہوسکے نہ کسی مجرم پر جرم ۱۲ منہ

حضور محض جان بچانے کو بھیجا تھا چھاپ دی اور رات ہی میں جو اوس کا دنداں شکن جواب گیا تھا چھپا لیا کہ کوئی جانے اونھوں نے تو تحریر بھیجی اودھر سے جواب نہ آیا۔ اب ہم اوس جواب کو درج کرتے ہیں مسلمانان اہل انصاف خود ملاحظہ فرماکر خدا لگتی کہدینگے کہ جمعیت والوں نے کس کس مکروحیلہ کی آڑ لیکر مناظرہ سے گریز فرمائی - یہ تحریری ثبوت ہیں اور خطوں کی رسیدیں ہمارے پاس موجود ہیں- زبانی بکنے کو ہر شخص جو چاہے بکا سکتا ہے۔

نقل خط جماعت جو بجواب رقعہ حیلہ لقبعہ مولوی ابوالکلام صاحب گیا اور اب تک لاجواب ہے اونھوں نے بکمال حیا اپنا رقعہ چلتے وقت چھاپا اور لاجواب جواب کو چھپایا مسلمانو وہ جواب یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مسٹر ابوالکلام صاحب آزاد

بارے آج چوتھے دن شب کے آٹھ بجے کے بعد آپکا ایک خط آیا بچاؤ کی تدبیر تو کسی نے اچھی سوجھائی کہ وہ کفریات وضلالات و وبالات جو آپ حضرات برت رہے ہیں اور جن پر اعتراض ہے اور جو وجہ خلاف ہیں اون سب کو یکسر بالائے طاق رکھیے اور جن باتوں کی خود ادھر سے بار بار تصریح چھپ چکی اون میں مناظرہ چاہیے۔ کسنے کہا تھا کہ سلطنت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کی حفاظت بُری ہے کیا فرمان اقدس میں طبع ہوا کہ سلطنت اسلام کی خیرخواہی ہر مسلمان پر فرض ہے کون مسلمان ہوگا کہ اماکن مقدسہ کی حفاظت نہ چاہیگا۔ کیا دبدبہ سکندری والسواد الاعظم میں اعلیحضرت کا ارشاد نہ چھپا کہ سلطان اسلام کی کفار سے جب جنگ ہو مسلمانوں پر حسب استطاعت اونکی امداد فرض ہے استطاعت سے زیادہ نہیں اسیطرح اماکن مقدسہ کی حفاظت علی حسب الوسعۃ

غرض ہے ۔ کہا یہ تھا کہ جو طریقے اسمیں آپ حضرات برت رہے ہیں وہ کفر و ضلال و وبال دکھاویں
اس کا اگر آپ اقرار کریں تو مناظرہ ختم ہو گیا یہی ہمارا مدعا تھا ۔ اب آنا رہا کہ اون کفروں ضلالوں وبالوں
سے صاف توبہ چھاپ دیجئے اور ہندوؤں وہابیوں دیوبندیوں سے بالکل قطع کرکے تحفظ سلطنت
اسلامیہ و اماکن مقدسہ کی جائز و ممکن تدبیریں کیجئے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اگر اپنی اون باتوں کا
کفر و ضلال و وبال ہونا قبول نہیں تو اسی میں خلاف ہے اسی پر مناظرہ ہے ۔ اتمام حجت تامہ کے سوالات
اسی پر ہیں اُن کا جواب لینے کو ہمیں اپنے جلسہ میں آنے دیجئے وقت بتائیے آپ کے اعلانوں میں
تو مطلق مخالفین پر جلسہ میں اتمام حجت کا وعدہ تھا ہم بھی مخالف ہیں اب علم کہکر منہ نہ چھپائیے اور یہ
اوس سے بھی بڑھکر کہی کہ ترک موالات و اعانت اعدائے محاربین اسلام میں اختلاف ہے سبحٰن اللہ
ابھی تو ہم کہہ رہے ہیں کہ آپ صاحبوں نے قرآن کریم کو پس پشت ڈالا و دشمنانِ خدا سے موالات اتحاد
خلوص اخلاص کی ٹھہرائی اور صرف کسی غیر مسلم کی موالات کو کہا گیا آپ تو محاربین کی قید گڑھتے ہیں
اور ہم ہر کافر سے موالات مطلقاً حرام بتاتے ہیں ۔ کیا المحجۃ المؤتمنہ صفحہ ۱۰۰ میں صاف تصریح نہیں کہ
موالات مطلقاً ہر کافر سے حرام ہے اگرچہ ذمی ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی ہو ۔ سبحٰن اللہ اپنے قصور کا دوسرے
پر الزام ۔ مہربانا تحقیق حق اس بدلنے مچلنے سے نہیں ہوتی نہ آپ ہم سے منہ پھیر سکتے ہیں کہ آپکے
اعلان عام تھے کسی خاص کا نام نہ تھا نہ جلسے میں ہمارے مناظرے کو روک سکتے ہیں کہ جلسہ میں تمام
حجت چھپایا تھا نہ آپ اپنے کفریات و ضلالات کو کہ وہی بنائے مخاصمت ہیں چھپا کر کوئی متفق علیہ بات
مناظرے کے لئے پیش کر سکتے ہیں اسکی نظیر تو یہی ہوگی کہ کسی پادری سے تین خدا ماننے مسیح کو خدا اور
خدا کا بیٹا جاننے وغیرہا کفروں پر مسلمان مناظرہ طلب کریں وہ جان بچانے کو کہے کہ [illegible] کہ آپ لوگ
نبوت مسیح کے منکر ہیں اسمیں مناظرہ کر لیجئے ۔ کیا اوس سے نہ کہا جائے گا کہ او مناظرہ سے بھاگنے والے
اور اولٹی ہانک ہانکنے والے نبوت مسیح سے کسے انکار تھا جن باتوں پر مناظرہ طلب تھا تو اونکو
صاف اڑا لئے اور ایک متفق علیہ بات پر مناظرہ گاڑے ۔ کیوں جناب کیا اوسکے لئے بنے ہوئے پاگل
سے بہتر کوئی اور لقب تجویز کیجئے گا ۔ اعلیحضرت بھی اگر اوس عیار پادری کو منہ لگانے کے قابل جانتے
تو اون خلافیات پر مناظرہ فرماتے یا نبوت مسیح پر آپکو اگر ایسی بازیوں سے وقت ٹالنا اور تشریف لیجانا
ہو تو ویسے ہی کہہ دیجئے ورنہ فوراً ہماری مطبوعہ گزارش قبول کر کے ہمیں وقت دیجئے یا لکھ دیجئے کہ ہم

اپنے اعلانوں کو استعفا دیتے اور اتمام حجت کے جھوٹے دعوے سے باز آتے ہیں بہتر تو یہ کہ ابھی ورنہ صبح آٹھ بجے تک جواب عطا ہو ورنہ انکی اجازت سمجھی جائے گی کہ خود آپ کے مطبوعہ اعلان اجازت عام دے رہے ہیں والسلام علی من اتبع الہدی۔

طالبان مناظرہ
۱۳ رجب سنہ ۳۹ھ

جماعت مبارکہ نے روز اول ستر سوال کے ساتھ چھاپ دیا تھا

کہ جواب آپ حضرات کے تحریری دستخطی ہوں زبانی نقط ہوا میں اوڑ جاتے ہیں مگر آپنے نہ سوالات اتمام حجت نامہ کا نام آنے دیا نہ اصحاب اربعہ طالبان مناظرہ کو وقت دیا نہ زبانی جمع خرچ کے سوا کوئی رستہ لیا اور نہ آپ اسپر قادر تھے نہ انشاء اللہ العزیز قیامت تک قادر ہوں اور صاحبوں کے ساتھ وہی زبانی تو تو میں میں رکھی جسمیں آپکو جو چاہیں بنا لینے انہوئی جوڑ کر ناواقفوں کو بہکا لینے کا موقع رہے اسکا علاج یہ ہے کہ مولوی ابو الکلام صاحب اور عبد الماجد بدایونی صاحب اور ہم ایک میدان میں جمع ہو کر مباہلہ کرلیں واحد قہار جل وعلا سے امید واثق ہے کہ جھوٹے پر فوراً اپنا عذاب اوتاریگا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اور پھر کچھ بھی سہی اصلی مابہ النزاع اصل بنائے مخاصمت یہی آپ حضرات کے کفریات وضلالات و وبالات جنکا مختصر ذکر اتمام حجت تامہ میں ہے وہ کدھر گئے مناظرین جماعت کا مناظرہ تو بدستور قائم ہے کہ آپنے ایکبار بھی انکی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔ ہم عرض کرچکے کہ ہارجیت مقصود نہیں اللہ ورسول کے واسطے تحقیق حق منظور ہے آپ اگر حق پر ہیں ستر سوالات کے جواب منصفانہ دیجئے اور ہمیں بھی اپنے ساتھ لیجئے ورنہ حق قبول دیجئے اور اپنے ساتھ عوام کا دین برباد نہ کیجئے۔ اتنی سی بات ہے ادھر ادھر اسکی پھیرنے کی حاجت نہیں۔ اب وقت مقرر کیجئے اور مولوی ابو الکلام و

مولوی عبدالباری وعبدالماجد صاحبان جمع ہو جائیں اور تشریف لائیں یا ہمیں بلائیں اجتماع ونکا وہ جلسہ ہوچکا جسمیں نصرانی طرز کی تقلید تھی مناظر کو پانچ منٹ گنکر دئے جاتے اور داول کے بلا طالبان مناظرہ بولنے نہ پائے حق کا صاف ہونا چاہتے ہو تو راہ حق یہ ہے والسلام علی من اتبع الہدی۔

ادا کین جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نادان بھولی انجمن

آقا نے ایک احمق نوکر رکھا تنخواہ مقرر کی اور کہا خوش ہوں گے تو اضافہ کر دیں گے۔ اونٹ گم گیا نوکر نے بالاخانے پر جاکر آقا سے پوچھا اونٹ یہاں تو نہیں آیا۔ اونھیں ہنسی آئی کہا اضافہ کیجئے۔ اہل سنت کے کتنے بیانات اعلانات شائع ہیں کہ مشرکین سے وداد واتحاد، غلامی انقیاد اونکے اعتماد کسی امر دینی میں استعانت واستمداد اونکی جیسی تعظیمیں جس طرح ہو رہی ہیں وہابیہ سے میل وپیوند یہ سے اختلاط اونکی تقطیعیں صدارت رکنیت وغیرہا امور برباد کن دین وبیخکن اسلام ہیں۔ ان باتوں میں مسلمانوں کو ان سے نزاع ہے اور جب تک وجوہ نزاع قائم اتفاق ناممکن۔ کیا خلافت کمیٹی ان سب باتوں سے باز آگئی کیا ان سے سچی توبہ شائع کر دی کہ اہل حق کو اپنی شرکت کی طرف بلاتی ہے۔ کیا مولوی عبد سلیمان اشرف صاحب نے ان امور کو جائز بتایا تھا کیا مسئلہ حمایت سلطنت اسلام وحفاظت اماکن مقدسہ وترک موالات کفار کہ خالص وہابیات ہیں۔ انھیں مشرکین سے اتحاد منایا تھا کہ بھولی انجمن اضافہ مانگتی ہے۔ طرفہ یہ کہ طالب شرکت خود مائۂ فساد وفرقہ بندی یعنی دیوبندی یا اونکے بندہ وبندی۔ آپ کے اسی جلسے کے دوران میں اہل حق کا اعلان چھپا۔

پیارے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کی پیاری آواز اور اوسمیں لکھ کر بتا دیا گیا کہ کمیٹی دین الٰہی میں اپنے اختراعوں ـــ افتراؤں سے اوس حدیث صحیح کی مصداق ہے

کہ آخر زمانے میں دجال کذاب آئیں گے جو وہ باتیں لائیں گے کہ مسلمانوں کے باپ دادانے

بھی نہ منیں۔ مسلمان اون سے دور رہیں اونھیں اپنے سے دور کریں کیا کمیٹی نے اون باتوں سے توبہ شائع کر دی یا حکم نبوت منسوخ کرنے آئی ہم ہزار بار کہہ چکے اور ہمیشہ کہیں گے اور اب بھی

اعلان

ہے کہ مشرکین و وہابیہ و دیوبندیہ کو قطعاً دفع کرد و خالص سنی رہجاؤ اور تمام کفریات و ضلالات و ہالات سے جنکے مرتکب ہو رہے ہو توبہ کرو پھر باذن و سلطنت اسلام و اماکن مقدسہ کی حفاظت جائز و ممکن و منضبط طریقوں سے چاہو ہم تمہارے ساتھ ہیں بلکہ تمہاری خدمت کو حاضر ہیں۔

مُطالبہ

جناب مسٹر ابو الکلام آزاد صاحب نے جناب مولوی سید سلیمان اشرف صاحب سے عاجز آکر برسر جلسہ اقرار کر دیا کہ تمام کفار سے موالات مطلقاً حرام ہے اب کیوں نہیں ہنود سے مقاطعہ کیا جاتا فوراً اسپر عمل کیجئے اور اعلان چھاپیے حرام پر اصرار کو جناب مولوی عبد الباری صاحب کفر لکھ چکے ہیں۔

مؤاخذہ

اوسی جلسہ میں جناب آزاد صاحب علانیہ یہ بھی فرما چکے ہیں کہ گاندھی کا پس رو بت پرست اور گاندھی اوسکا بت اسکے اجتماس سے باز آئیے اور مولوی عبد الباری صاحب سے بھی بت پرستی چھڑائیے۔

تقاضا

آسمان و زمین کے مالک کی قسم کرا تمام حجت تامہ نری ہار جیت کے لئے نہیں تحقیق حق کیواسطے ہے کمیٹی کا جلسہ کیا جانے دیجئے جناب مولوی عبد الباری و جناب ابو الکلام آزاد و عبد الماجد بدایونی صاحبان تو نہیں گم گئے اب اونسے جواب کیلئے کہیے کہ بات صاف ہونے پر یا ہم آپ کے شریک ہو جائیں گے یا آپ ہمارے۔

اطلاع

جناب مولوی سید سلیمن اشرف صاحب کو رئیس وفد جماعت مناظرین کہنا غلط ہے ارکین جماعت اپنے مطالبوں کی بناپر اتمام حجت تامہ کا مناظرہ کرنے تشریف لیگئے تھے جنھیں وقت ندیا گیا اور مولانا سید سلیمن اشرف صاحب اپنے انفرادی خط کی بناپر فقط۔

ارکین جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء

۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ

نامی نامہ جناب مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب جو جلسہ کی کیفیت واقعیہ کو ظاہر کرتا ہے اور کذابوں کے کذب کا پردہ کھولتا ہے

سیدی دامت برکاتہم

سلام نیاز کے بعد گذارش حضور سے رخصت ہوکر مکان پہنچا یہاں آکر میں نے اتمام حجت تامہ کا مطالعہ کیا فی الواقع یہ سوالات فیصلہ ناطقہ ہیں اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجال گفتگو اور راہ جواب باقی نہیں چھوڑی۔

میں سچ عرض کرتا ہوں اور بقسم عرض کرتا ہوں کہ اس مکالمہ میں ایسی بیّن اور زبردست فتح ہوئی ہے جسکا کبھی تصور بھی نتھا۔ وہ بے معنی پرجوش مجمع جو گاندھی اور شوکت علی کے خلاف کوئی بات سننا گوارا ہی نہیں کرتا۔ محمد علی جناح اور لاجپت رائے کو یہ میسر نہیں ہے کہ ایک کلمہ خلاف کا زبان سے نکال سکیں۔ ناگپور میں شوکت علی کو مولانا نہ کہنے اور مسٹر کہنے پر محمد علی جناح کو نعیم شیم وغیرت غیرت کے آوازے سننے پڑے۔ اور بریلی کے جلسہ کیلئے تو تمام ہندوستان میں شور مچا یا گیا تھا اور اخباروں اشتہاروں کے ذریعہ سے بہت جوش پھیلا دیا گیا تھا۔ ہزار مولوی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس مجمع میں روبرو کھڑے ہوکر خلافت کمیٹی کے تمام ارکین کا ایسا صریح خلاف کرسکتے۔ اگر یہ جلسہ بریلی میں ہوتا تو یہ بات میسر نہ آتی۔ مگر بے شبہہ یہ حضرت کی کرامت اور حضرت کے فضل وکمال کی ہیبت تھی کہ ابوالکلام جیسے زبان آور شخص کو مجمع میں یہ سب کچھ سننا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ ضرور

ابوالکلام کو اتمام حجت کے مطالعہ کا موقع[1] مل چکا تھا۔ اور اوسی نے اون میں ہمت باقی نہ چھوڑی تھی حقیقۃ الامر یہ ہے کہ یہ لوگ ترک موالات کو حکم شریعت سمجھکر نہیں مانتے ہیں یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے آیتیں تلاوت کر لیتے ہیں مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم بھکر یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کیساتھ ہنود سے موالات فرض سمجھتے ہیں آج تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف گورنمنٹ سے ترک موالات بتاتی ہے۔ اور ہنود سے موالات بلکہ اونکی رضا میں فنا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے۔ اور اسپر ہمیشہ مجمعوں میں زور دیے جاتے ہیں۔ اخباروں میں اسپر مضامین کس شد و مد سے لکھے جاتے ہیں۔ اور یہ خلافت کمیٹی کا مقصود اعظم اور پہلا نصب العین ہے۔ خلافت کمیٹی گاندھی کی بدولت تو وجود میں آئی اوسکے اشاروں پر تو چل ہی رہی ہے پھر ہنود سے ترک موالات حرام و کفر نہو تو کیوں نہو۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ابوالکلام نے بھرے مجمع میں صاف الفاظ میں اقرار کیا کہ بیشک یہ آیات تمام کفار و مشرکین سے ممنوع و حرام ہے جیسے نصاریٰ سے ناجائز ایسی ہی ہنود سے ناجائز کون کہتا ہے کہ آیہ ممتحنہ سے موالات غیر محاربین کا جواز نکلتا ہے کس دوسرا شخص نے ایسا کہا ہے اگر ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندو سب کے سب گاندھی ہو جائیں اور مسلمان اونکو اپنا رہنما بنائیں تو یہ بت پرست ہیں اور سب کے سب بت یہ تقریر پر زور الفاظ کیساتھ ابوالکلام نے اوس مجمع میں کی جہاں ہندو بکثرت موجود تھے مگر اونپر ایسا خوف غالب تھا کہ وہ اونکی دلداری بھول گئے اور یہ آنکھی کہنے لگے اگر اور کچھ نہو تا صرف اتنی ہی بات ہوتی جب بھی میں کہہ سکتا تھا کہ ہماری زبردست فتح و کامیابی اور اونکی حد درجہ کی ذلت و شکست ہوئی مجمع کو یہ باور کرانیکے لئے کسی دلیل کے کیا معنی اشارہ کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ خلافت کمیٹی محبت ہنود کو جزو ایمان سمجھتی ہے۔ وہ مجمع ہندوؤں سے ترک موالات کی فرضیت ابوالکلام کی زبان سے سنکر کیا اس بات کا اندازہ نہ کر سکا کہ اسپر کیسا خوف غالب ہے کہ یہ خلافت کمیٹی کے اصل اصول اور سنگ بنیاد ہی کو اوکھاڑے پھینکے دیتے ہیں۔ جو منظر میری آنکھوں نے دیکھا حضرت کے سامنے اوسکی تصویر پیش کرنے سے عاجز ہوں۔ اس ایک ہی اقرار نے اونکی اور جمعیۃ العلماء کے تمام مجمع کی عزت و آبرو تو خاک میں ملادی۔ پھر کفریات کا شمار اور قربانی کے مسئلہ میں خلافت

[1] بیشک دلیل ستھا و توضیح یہی اتمام حجت تامہ اور اقوام سرکار رسالت اور سخن زین اہلسنت کی توجیہ یہ تینوں کا غذ اونکے ہاتھ میں دیدیے تھے ۱۲ منہ

کمیٹی اور جمعیۃ العلماء دونوں کو مجرم قرار دینا مولوی عبدالماجد صاحب کے شانہ پر ہاتھ رکھکر یہ کہنا کہو میاں تمھاری بھی کسدیں پھر اون کے فدکر بنانے کا ذکر کرکے اوسپر کفر کا حکم لگانا۔ مولوی عبدالباری صاحب پر کفر کا حکم لگانا کفریات کا ذکر کرنا اور ابوالکلام کا سب سے جان چھڑانا کسی کا جواب نہ دینا یہ اونکے مبہوت اور حواس گم کردہ ہونے کی دلیل نہیں اونکے عجز تام اور لاجواب محض ہوجانے کا اٹل ثبوت نہیں تو کیا ہے۔ کیا وہ ایسا ہی خاموش ہوجانیوالا شخص ہے کیا کسی دوسرے مقام پر بھی اونکو ایسا ہی دبا سکتے تھے۔

بریلی میں جمعیۃ الوہابیہ کے جلسے میں اس اعلان کے ساتھ ابوالکلام اور تمام جمعیت کے مونھ پر اونکے کفر کے حکم لگائے جائیں اور وہ سب دم بخود وہاں ہوں۔ یقیناً یہ حضرت کی کرامت اور حق کی شاندار عظیم الشان فتح ہے۔

فتح میں کیا کسر رہ گئی کیا ابوالکلام اپنے مونھ سے یہ بھی کہدیتے کہ میں ہار گیا۔

جسوقت ابوالکلام تقریر کررہے تھے میں اونکی برابر بیٹھا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ اونکا بدن بید کی طرح لرز رہا ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اوس مقابلہ کا اثر تھا یا اونکی ایسی عادت ہی ہے۔ مجمع مولوی سلیمن اشرف صاحب کی تقریر کو دل لگاکر سن رہا تھا۔ لوگوں کی شکایت ہورہی تھی کہ مولانا بلند آواز سے تقریر فرمائیں یہانتک اچھی طرح آواز نہیں پہنچتی۔ اللہ اکبر کے نعرے لگائے جاتے تھے یہ اثر دیکھکر خود ابوالکلام سبحان اللہ اور جزاک اللہ کہتے جاتے تھے۔ دوسرے روز اگرچہ جمعیۃ العلماء کا جلسہ نتھا کانگریس کا جلسہ تھا وہ دوسری چیز ہے مگر جو مقرر ہندو ہو یا مسلمان وہ کل کی خفت مٹانے اور بگڑی ہوئی بات کو بنانیکے درپے رہا اور کوئی صورت بات بنانیکی خیال میں نہ آئی بجز اسکے کہ ہم مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ حضرات آئے اور انہوں نے شرکت فرمائی۔ اور صلح ہوگئی۔ روانگی کیوقت بریلی کے اسٹیشن پر ایک تاجر صاحب نے مجھسے کہا کہ ابوالکلام جسوقت بریلی سے جارہے تھے میں اونکے ساتھ تھا وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ اونکے جسقدر اعتراض ہیں حقیقت میں سب درست ہیں ایسی غلطیاں کیوں کیجاتی ہیں جنکا جواب نہوسکے اور اونکو اسطرح گرفت کا موقع نہ ملے میں اپنی اس مسرت کا اظہار نہیں کرسکتا جو مجھے اس فتح سے حاصل ہوئی۔ میدان مولوی سلیمن اشرف صاحب کے ہاتھ رہا۔ حضرت کے

غلاموں کی ہمت قابل تعریف ہے۔ حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب نے ابوالکلام سے فرمایا کہ آپ توبہ کیجیے۔ اونھوں نے کہا کس چیز سے فرمایا اپنے کفریات سے یہ سنکر وہ بھوچکا ہوگئے اور کہنے لگے میں نے کیا کفر کیا ہے اوسوقت کسی کی نظر میں ابوالکلام ایک طالب علم کی برابر بھی نہیں معلوم ہوتے تھے ایک طرف سے مولانا برہان میاں اعتراض کرتے ہیں ایک طرف سے مولوی حسنین رضا خانصاحب الزام دیتے ہیں وہ سوائے قسمیں کھانے اور اپنے اوپر لعنت کرنے کے اور کچھ جواب ہی نہیں دیسکتے۔ یہ تمام کارروائی کرکے مولانا حامد رضا خانصاحب اون سے دستخطی تحریر چاہی۔ اونھوں نے روداد میں چھاپنے کا وعدہ کیا اونھوں نے فرمایا کہ جبتک ہمارے ان مختصر سوالات کے جواب نہ ملیں اور یہ شخص اپنے اپنے کفریات سے توبہ نکرے اوسوقت تک ہماری آپکی صلح نہیں ہوگی۔

یہ نہایت زبردست باتیں تھیں اور حضرت کے صدقے میں ابوالکلام صاحب کو بالکل دبا لیا تھا۔ اب ضرورت ہے کہ جلد سے جلد اسکی اشاعت کیجائے۔ اگرچہ وہ مضمون بڑھ گیا ہے لیکن روداد جلسہ کی صورت میں چھاپا جائے۔ اور آخر میں مطالبہ کیا جائے کہ جن باتوں کا ابوالکلام نے اقرار کیا ہے مثلاً ہنود سے ترک موالات اوسپر عمل کرکے دکھائیں اور اپنی تحریر میں اوس اقرار کو شائع کریں اور جن کفریات سے مجمع عام کے اندر سکوت کیا گیا ہے وہ سب کے مسلم کفر ہوئے۔ اگر جواب ہوتا مجلس مناظرہ میں کس دن کیلئے اوٹھا رکھا جاتا نیز یہ کہ مولوی حامد رضا خانصاحب نے مختصر سوالوں کے جواب کا جو مطالبہ کیا تھا اوس کا جلد سے جلد جواب دیا جائے۔ یہ روداد کثیر تعداد میں بہت جلد شائع ہو تو نہایت بہتر۔ والسلام

حضور کا حلقہ بگوش

نعیم

جانسوز فریادِ حرم بدربار کرم

تم سے فریاد ہے سرکارِ رسالت میری
کیجے گمراہون کے حملون سے حفاظت میری

نام کے ہین جو مسلمان وہ عدو ہین میرے
انکے دل مین نہین واللہ محبت میری

ہین یہ سورج کے خواہان نہین میرے طالب
دھوکے دینے کو یہ بنتے ہین جماعت میری

آپ ہی تو یہ نصارے کے مددگار بنے
آپ ہی روتے ہین چھپ چھپ کے مصیبت میری

آپ کہتے ہین کہ اللہ نے ارشاد کیا (ق)
اب کبھی کفر سے ہوگی نہ معیت میری

آپ ہی کرتے ہین سو نخوت بھرے خدا کی تکذیب
دستِ کفار مین گاگا کے حکومت میری

جنگِ بلقان مین چندے کیے لاکھون ہضم
نہ تو ترکون کی مدد کی نہ اعانت میری

انکو دعوے ہے کہ اسلام کو چمکاتے ہین
کیا کبھی پس روِ گاندھی تھی شریعت میری

تخت [illegible] سے منایا جو ہین میرے بدخواہ
مشرکون سے یہ کرائینگے حمایت میری

فتح بغداد پہ جب تار نصارے کو دیے
حیف اوس وقت نہ یاد آئی مصیبت میری

فتح بغداد سے غم مجھکو ہوا انکو خوشی
واہ کیا خوب نباہی ہی رفاقت میری

نجدیون ہی نے ستم پہلے بھی مجھپر ڈھائے
دل سے ابتک نہ گئی انکے عداوت میری

اب بھی بدبخت وہی مجھپہ ستم کرتے ہین
چاہتے ہین کہ ہو برباد عمارت میری

انکے ظلمون نے تو بیحد مجھے مظلوم کیا
ہوگی محشر مین خدا سے یہ شکایت میری

مجھکو بتخانہ کا ہمسر سمجھتے ہین یہی
حاصل اسکو ہے بتاتے ہین زینت میری

عمر آیات و احادیث مین جتنی گزری
بت پرستی پہ چڑھادی یہ کی حرمت میری

چاہتے ہین کہ یہ تقدیس بنین سنگم پریاگ
میرے [illegible] مانند مقابل مرے صورت میری

گنگا جمنا کی زمینون کو مقدس بولین
معبدِ کفر کو دیتے ہین طہارت میری

بت پرستون کو مساجد مین کیا واعظِ دین
بس چلے گا تو بنائینگے یہی گت میری

گاندھی کو بھیجدیا حق نے مذکر کرکے
انکے کفرون سے مکدر ہے طبیعت میری

خطبۂ جمعہ مین داخل کرین مدحِ مشرک
مجھ مین بت رکھکے مگر چاہینگے حرمت میری

گئو ماتا کو بچاتے ہین یہ قربانی سے
مشرکون سے یہ ہے الفت کہ محبت میری

گلٹی مشرک کی اوٹھاتے ہین دھرم سے تو کہین
شیوۂ کفر ہے یہ یا ہے طریقت میری

رام لچھمن پہ چڑھین پھول تلک لگوائین
انکے ہاتھون سے چمکتی ہو عداوت میری

پوجنے کیلیے قرآن کو مندر لیجائین
بت پرستو۔ نہ رہی تم کو ضرورت میری

ساتھ قرآن رکھا ڈولے مین رامائن کے
کیون نہ بت خانہ سے پھر جا ہو جمعیت میری

تمکو مجھ سے مجھے اب تم سے علاقہ کیا ہی
کیون نہ بیزار ہو اب تم سے جماعت میری

بیٹھو دیگر مجھے پھر پیری سد کا دعوے
سو منھ ہو گنگا کی طرف اور اعانت میری

انھین دنیا کے طلبگارون نے لیڈر بنکر
لاکھون چندے کے ڈکارے ہین بدولت میری

ق

فخر سے کہتے ہین ہر دم کہ ہین رہبر گاندھی
معترض ہوتی ہے جب اس پہ جماعت میری

تو نصارے کا طرفدار بتاتے ہین اسے
کیا نہین ہے یہ کھلے بندون اہانت میری

گاندھوی فرقہ مرا نام نہ لے دُور الگ
نہ مجھے تیری نہ تجھکو کوئی حاجت میری

صاحب فتح مبین ہین مرے مولی پیارے
اب ہوئی اب ہوئی سرکار سے نصرت میری

المشتہر فقیر غریب اللہ قادری رضوی بریلوی

عکس: رسالہ ردا منع الجحیم صفحہ ۶۲ تا ۶۴

جناب محمد جلال الدین قادری کا نام تحریکِ پاکستان اور خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس کے حوالہ سے علمی حلقوں میں جانا پہچانا ہے۔

"ابو الکلام آزاد کی تاریخی شکست" اُن کی بہترین کاوش ہے جو پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر گرانقدر اضافوں کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں فاضل مؤلف نے مسلمانانِ پاک و ہند کی قومی جدوجہد کے ایک انتہائی اہم دور کی تصویر پیش کی ہے۔ کتاب کا دوسرا باب "علمائے اہلِ سنت بنام ابو الکلام آزاد" ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

"اتمامِ حجت تامہ" جماعت رضائے مصطفےٰ کی طرف سے مجلسِ خلافت کے راہنماؤں پر ستر اعتراضات و سوالات پر مشتمل ایک تاریخی اور قابلِ قدر دستاویز ہے جو عامۃ المسلمین کی ہمیشہ راہنمائی کرتی رہے گی۔ یہ ان علمائے حق کی علمی ثقاہت اور سیاسی بصیرت کا بیّن ثبوت ہے اور اسلاف کے کارناموں کی یاد دلاتی ہے۔ کتاب کا تیسرا اور آخری حصہ رُوداد مناظرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ سے اُن اُمور سے واقفیت ہوتی ہے جو عام قاری کی دسترس سے باہر ہیں۔ تاریخی حیثیت سے یہ کتاب

ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست

(حصہ دوم)

ایک جھلک

- جہادِ آزادی سے قیامِ پاکستان تک ——— ایک جائزہ
- تحریکِ ترکِ موالات کے نتائج اور اثرات
- ہندو مسلم خطرناک اتحاد
- تحریکِ ترکِ موالات میں فاضل بریلوی، علامہ اقبال، اور جناح کا کردار
- جمعیت العلمائے ہند کی افترا پردازیاں
- جمعیت العلمائے ہند کے ترجمان جرائد میں جعلی خطوط کی مہم
- حصہ اول پر بعض اہلِ علم اور دانشور حضرات کی آراء

مکتبہ رضویہ، لاہور